امامت کے احکام ومسائل

تالیف

مولانا قاری مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی
رئیس مرکز احیاء الفکر الاسلامی، مظفرآباد، سہارنپور

دار البحوث والنشر
مرکز احیاء الفکر الاسلامی، مظفرآباد، سہارنپور (یوپی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سلسلۂ مطبوعات مرکز احیاء الفکر الاسلامی......................(۳۳)

نام کتاب: امامت کے احکام و مسائل

تالیف: مولانا قاری مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی

صفحات: ۱۹۲ر

تعداد: ۱۱۰۰ر

قیمت: ۱۰۰ر روپے

باہتمام: حافظ عبد الستار عزیزی

سن اشاعت.................... ۲۰۱۳ء م ۱۴۳۴ھ

کمپوزنگ: عزیزی کمپیوٹر سینٹر مرکز احیاء الفکر الاسلامی، مظفر آباد، سہارنپور

ناشر

دار البحوث والنشر

مرکز احیاء الفکر الاسلامی مظفر آباد، سہارنپور، یوپی (انڈیا)

E-mail: masood_azizinadwi@yahoo.co.in
Mob. 09719831058

☆ کتب خانہ یحیوی متصل مظاہر علوم سہارنپور ☆ خانقاہ رحیمیہ رائے پور، سہارنپور (یوپی)

☆ دار الکتاب دیوبند، سہارنپور (یوپی) ☆ مکتبہ ندویہ، دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

☆ اتحاد بک ڈپو، دیوبند، سہارنپور ☆ الفرقان، نیا گاؤں مغربی (نظیر آباد) لکھنؤ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پہلا ایڈیشن

یہ کتاب ''امامت کے احکام ومسائل'' دراصل راقم نے عربی میں تحریر کی تھی، جس کا پہلا ایڈیشن ۲۰۰۶ء میں شائع ہوا تھا، اس کا اردو ترجمہ اس کی تالیف کے زمانے ۱۹۹۹ء میں ہی راقم کے بعض دوستوں نے کردیا تھا، جن میں خاص طور سے دو قابل ذکر مولانا زاہد حسن ندوی اور مولانا محمد عزیز اللہ ندوی ہیں، اللہ تعالی ان کو جزائے خیر عطا فرمائے، یہ ترجمہ پہلے ماہنامہ ''نقوش اسلام'' کی مختلف قسطوں میں شائع ہوا، اب اس ترجمہ کو ذیلی عناوین لگا کر مستقل کتابی شکل میں شائع کیا جارہا ہے، تاکہ اردو داں حضرات اس سے فائدہ اٹھاسکیں، ہمارے رفیق درس مولانا مفتی رحمت اللہ ندوی استاد دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ نے اس پر نظر ثانی کی اور اصل کتاب سے تطبیق کرکے تصحیح کی ہے، اس لئے اب یہ کتاب زیادہ قابل اعتماد اور زیادہ قابل استفادہ ہے، اللہ تعالی اس کو قبول فرمائے اور ائمہ حضرات کو فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے، اور راقم آثم کی مغفرت کا ذریعہ بنائے۔ وماذلك على الله بعزيز

والسلام

محمد مسعود عزیزی ندوی
رئیس مرکز احیاء الفکر الاسلامی مظفر آباد

۲۰ر جمادی الثانیہ ۱۴۳۴ھ
۲ر مئی بروز جمعرات ۲۰۱۳ء

فہرست مضامین

پهلا باب امامت کے احکام وشرائط

دوسرا باب امامت کا حق کس کو ھے ؟

تیسرا باب امام کیسا ہو اوراس کے پسندیدہ اوصاف

چوتھا باب امامت کے لائق کون لوگ ہیں؟

پانچواں باب کن لوگوں کی امامت درست ہے اور کن کی نہیں؟

چھٹا باب تنہا عورتوں کی جماعت او ربچہ کی امامت

ساتواں باب امام اور مقتدی کے افعال

آٹھواں باب نماز میں نائب بنانے کا حکم

نواں باب سجدۂ سہو کا بیان

دسواں باب متفرق مسائل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حالات مؤلف

از مولانا سید محمود حسن حسنی ندوی
نائب مدیر پندرہ روزہ ''تعمیر حیات'' لکھنؤ

مولانا قاری مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی بن حافظ عبد الستار بن منشی عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ، بروز جمعہ ۱۲؍ربیع الاول ۱۳۹۴ھ بمطابق ۵؍اپریل ۱۹۷۴ء قصبہ مظفر آباد کے محلّہ مظفری، ضلع سہارنپور (یوپی) میں پیدا ہوئے، عزیزی کی نسبت اپنے دادا حضرت منشی عبد العزیزؒ کی طرف کرتے ہیں، جو ایک عبادت گذار، نیک و پرہیز گار آدمی تھے، جن کا دل ہر وقت مسجد میں لگا رہتا تھا اور علماء ربانیین اور صلحاء متقین سے گہرا تعلق تھا۔

ابتدائی تعلیم

ابتدائی تعلیم محلّہ کی مسجد میں حافظ محمد اخلاق صاحبؒ سے حاصل کی اور یہیں قرآن مجید کے آخری دو پارے حفظ کئے، نو سال کی عمر میں ۱۲؍شوال ۱۴۰۳ھ مطابق ۲۳؍جولائی ۱۹۸۳ء سنیچر کے روز جامعہ بیت العلوم پیپلی مزرعہ، یمنا نگر (ہریانہ) میں داخل کئے گئے اور وہاں نو سال رہ کر قرآن کریم بروایت حفص تجوید و ترتیل کے ساتھ حفظ کیا، اور سند حاصل کی۔

وہاں اردو، ہندی، انگریزی پڑھی، فارسی اور عربی نحو وصرف کی چند کتابیں پڑھیں، نیز جامعہ اردو علی گڈھ کے امتحانات میں بھی شریک ہوئے اور ''ادیب'' ''ادیب ماہر'' کے امتحانات دیئے اور فرسٹ ڈویژن سے پاس ہوئے، وہیں کے دوران قیام اردو میں ''مختصر تجوید القرآن'' نامی ایک کتاب تصنیف کی، جس پر اس فن کے علماء نے تقاریظ لکھیں اور

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے مقدمہ اور حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندویؒ نے اپنی رائے لکھی، اس کتاب نے علمی حلقوں میں قبولیت حاصل کی، کراچی سے بھی اس کی اشاعت ہوئی، یہاں تک کہ بہت سے مدارس اسلامیہ میں داخل نصاب کی گئی۔

اس کے بعد ۱۴ر شوال ۱۴۱۲ھ میں ''مدرسہ فیض ہدایت رحیمی'' رائے پور میں داخلہ لیا اور یہاں دو سال گزارے، اور درس نظامی کے مطابق کافیہ وشرح جامی تک تعلیم حاصل کی۔

رائے پور کے قیام کے دوران حضرت حافظ عبدالرشید صاحب رائے پوریؒ (ت:۱۹۹۶ء) کی صحبت اختیار کی، جو عارف باللہ حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ (ت:۱۹۶۲ء) کے خادم خاص اور خلیفہ تھے، ان کے دست مبارک پر بیعت کی اور انکی مجلسوں میں شریک رہے، اور ان کی بابرکت صحبت سے فیض اٹھایا، سفر وحضر میں ان کے ساتھ رہے اور ان سے دینی وروحانی تربیت حاصل کی اور پنجوقتہ نمازوں میں ان کی امامت کرنے کا بھی شرف حاصل کیا، ان کی وفات کے بعد ان کے حالات وسوانح پر ''حیات عبدالرشید'' کے نام سے ایک کتاب بھی لکھی، جس نے کافی مقبولیت حاصل کی، اور اس کے تین ایڈیشن شائع ہوگئے۔

اعلی تعلیم

اس کے بعد ۷ر شوال ۱۴۱۴ھ مطابق ۳۰ر مارچ ۱۹۹۴ء میں ''مدرسہ ضیاء العلوم'' میدان پور رائے بریلی میں داخل ہوئے اور یہاں ایک سال رہ کر عالیہ اولی تک تعلیم حاصل کی، یہاں کے ماہر اساتذۂ کرام سے استفادہ کیا اور مدرسہ کے علمی دعوتی وفکری ماحول اور آب وہوا سے متأثر ہوئے حتی کہ علم ومطالعہ اور تحریر ونگارش میں اپنی صلاحیتوں کو اجاگر کیا، اور آخری سال میں ندوۃ العلماء لکھنؤ کے سالانہ امتحان میں شریک ہوئے، امتحان میں کامیابی کے بعد ۱۳ر شوال ۱۴۱۵ھ مطابق ۱۵ر مارچ ۱۹۹۵ء کو دارالعلوم ندوۃ العلماء میں داخل ہوئے اور یہاں تین سال رہ کر ۱۴۱۸ھ مطابق ۱۹۹۸ء کو شرعی علوم اور عربی زبان وادب میں عالمیت کی سند حاصل کی۔

فقہ وفتاوی میں اختصاص

اگلے سال ماہ شوال ۱۴۱۸ھ میں درجہ فضیلت میں داخل ہوئے اور دو سال میں فقہ وافتاء میں تخصص کا کورس کیا اور سند حاصل کی، شعبان ۱۴۲۰ھ مطابق ۱۹۹۹ء میں ندوہ سے فراغت حاصل کی، ندوۃ العلماء میں قیام کے دوران دو سالوں (۱۹۹۶ء/ ۱۹۹۷ء) میں مولانا قاری ریاض احمد مظاہری صدر شعبۂ تجوید وقراءت سبعہ وعشرہ دار العلوم ندوۃ العلماء سے قراءت سبعہ کی تکمیل کی۔

ندوہ کے خاص اساتذہ

مندرجہ ذیل اساتذۂ کرام سے بطور خاص استفادہ کیا: مرشد الامت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی، صحافی وادیب حضرت مولانا واضح رشید حسنی ندوی، امام وخطیب حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی، مفتیٔ اعظم ندوہ حضرت مولانا مفتی محمد ظہور صاحب ندوی، ادیب دوراں مولانا نذر الحفیظ صاحب ندوی ازہری، محدث جلیل مولانا ناصر علی ندویؒ، مفسر قرآن مولانا برہان الدین سنبھلی، فقیہ زماں مولانا عتیق احمد بستوی، خطیب عصر مولانا سید سلمان حسینی ندوی، داعی الی اللہ مولانا سید عبد اللہ حسنی ندویؒ، مولانا محمد زکریا صاحب سنبھلی، مولانا نیاز احمد ندوی، مولانا یعقوب صاحب ندوی، مولانا رشید احمد ندوی اور مولانا مستقیم احمد ندوی وغیرہم۔

حضرت مفکر اسلام سے خاص تعلق

ندوۃ العلماء میں قیام کے دوران حضرت مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندویؒ سے بیعت ہوئے اور ان کی علمی مجلسوں اور صحبتوں سے فیضاب ہوئے، یہاں تک کہ حضرت کے قریب ہوگئے، حضرت مولانا کی خصوصی شفقتیں اور عنایتیں حاصل کیں، اخیر دور میں حضرت کی خدمت اور تین وقتوں کی نماز کی امامت کی بھی سعادت حاصل کی، اور حضرت کی صحبت بابرکت سے خصوصی فیض اٹھایا، اور متعدد کتابوں پر حضرت نے مقدمے تحریر فرمائے، نیز ۹ رمحرم الحرام ۱۴۲۰ھ بروز پیر کو نکاح بھی حضرت مولانا نے پڑھایا اور خود حضرت نے ہی ولیمہ بھی کیا۔

تالیفات

عربی واردو زبان میں مختلف موضوعات پر چھوٹی بڑی تقریباً ۳۰؍کتابیں لکھیں۔

عربی

(۱) ریاض البیان فی تجوید القرآن (۲) مراجع الفقہ الحنفی ومیزاتہا
(۳) الإمامۃ فی الصلاۃ مسائلہا وأحکامہا (۴) التدخین بین الشرع والطب

اردو

(۵) مختصر تجوید القرآن (۶) بچوں کی تمرین التجوید
(۷) جیب کی تجوید (۸) رہنمائے سلوک وطریقت
(۹) فقہ حنفی کے مراجع اوران کی خصوصیات
(۱۰) امامت کے احکام ومسائل (جو اس وقت آپ کے ہاتھ میں ہے)
(۱۱) حیات عبدالرشیدؒ (۱۲) سیرت مولانا محمد یحییٰ کاندھلویؒ
(۱۳) تذکرہ مولانا سید محمد میاں دیوبندیؒ
(۱۴) تذکرہ حکیم الامت حضرت تھانویؒ (۱۵) تذکرہ علامہ سید سلیمان ندویؒ
(۱۶) تذکرہ شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ (۱۷) چند مایہ ناز اسلاف (قدیم وجدید)
(۱۸) مقالات ومشاہدات (۱۹) مکتوبات اکابر
(۲۰) چندہ دینے، دلوانے اور لینے کے آداب واصول
(۲۱) افکار دل (۳۰؍خطبات کا مجموعہ) (۲۲) مدارس اسلامیہ کا نظام-تحلیل وتجزیہ
(۲۳) تذکرہ حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوریؒ
(۲۴) سیرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
(۲۵) تذکرہ حضرت حافظ عبدالرشید صاحب رائے پوریؒ

(۲۶) قادیانیت-نبوت محمدی کے خلاف بغاوت

(۲۷) میری والدہ مرحومہ (۲۸) لڑکیوں کی اصلاح وتربیت

(۲۹) نقوش حیات حضرت مولانا عبدالرحیم متالاؒ (۳۰) ملفوظات حضرت رائے پوریؒ

اسفار

پہلی مرتبہ ۲۰۰۰ء میں پڑوسی ملک پاکستان کا سفر کیا اور وہاں بہت سے علماء، صلحاء اور ادباء سے ملاقات کی اور وہاں دینی اور دعوتی ادارے دیکھے، پھر ۲۰۰۱ء میں جنوبی افریقہ کا سفر کیا اور وہاں مسلمانوں کے حالات اور ان کی دینی، اصلاحی، دعوتی سرگرمیاں دیکھیں اور اسلامی مکاتب ومدراس اور ان کے تجارتی مراکز کا معاینہ کیا اور بہت سے اسلامی دانشوروں اور علماء کرام سے ملاقات کی۔

اس کے بعد جنوبی افریقہ کے پڑوسی ممالک جیسے ''بوٹسوانہ'' کا نومبر ۲۰۰۱ء میں سفر کیا، پھر رمضان ۱۴۲۱ھ مطابق دسمبر ۲۰۰۱ء میں شوازی لینڈ کا سفر کیا، اس کے بعد زمبابوے بھی جانا ہوا، اور ۲۰۰۲ء میں کویت کا سفر کیا اور یہاں شیخ نادر عبدالعزیز نوری (جنرل سکریٹری جمعیۃ الشیخ عبداللہ النوری الخیریہ، ومدیر علاقات خارجیہ وزارۃ اوقاف کویت) اور شیخ عبداللہ العلی المطوع (صدر جمعیۃ الاصلاح الاجتماعی، ومالک شرکۃ علی عبدالوہاب) اور فاضل استاذ شیخ یوسف جاسم الحجی (صدر انٹرنیشنل اسلامک چیرٹی آرگنائزیشن) سے ملاقات کی اور یہاں دس روز قیام رہا، کویت کی وزارۃ اوقاف نے مہمانی کی، اسی سال متحدہ عرب امارات دبئی کی بھی زیارت کی اور یہاں تین دن قیام کیا۔

ماہ رمضان ۱۴۲۴ھ مطابق ۲۰۰۳ء میں عمرہ کے لیے حجاز مقدس کا سفر کیا اور حرم مکی کے قریب ''مدرسہ صولتیہ'' میں قیام کیا، اس کے بعد مدینہ منورہ جاکر مسجد نبوی کی زیارت کی، اس میں نماز پڑھی اور ریاض الجنۃ اور روضۂ اطہر پر حاضری دی۔

۲۰۰۴ء میں ایک افریقی ملک ''ملاوی'' کی راجدھانی ''للونگوے'' کا سفر کیا، پھر ''زامبیا''

گئے اور وہاں ''چیپاٹا'' اور ''زامبیا'' کی راجدھانی ''لوساکا'' گئے اور علماء اور صلحاء اور دعاۃ سے ملاقات کی، جو وہاں سیاہ فام لوگوں اور نئی نسل کی اسلامی تعلیم وتربیت کی خدمت انجام دے رہے ہیں، وہاں کے اکثر لوگ جود وسخاوت اور اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کا، اور دینی ودعوتی خدمت کرنے کا جذبہ رکھتے ہیں، ایک جم غفیر کی موجودگی میں راجدھانی کی مسجد ''النور'' میں بیان کیا، اور ان کے سامنے کتاب وسنت کی روشنی میں دعوت الی اللہ کے اصول وضوابط اور فضائل واحکام پیش کئے، اور مسلموں اور غیر مسلموں میں ان کی دعوتی اور اصلاحی خدمات اور سرگرمیوں کو سراہا اور تقریباً ایک ماہ یہاں قیام رہا، ماہ ذی الحجہ ۱۴۲۵ھ مطابق ۲۰۰۵ء میں اپنے والدین کے ساتھ مناسک حج بیت اللہ اور عمرہ کی ادائیگی کے لیے حجاز مقدس کا سفر کیا، اس کے بعد جنوبی افریقہ متعدد مرتبہ جانا ہوا، کئی مرتبہ موزمبیق بھی جانا ہوا، اور ۲۰۱۱ء میں ملیشیا اور سنگاپور کا بھی سفر ہوا، اس کے درمیان حج اور عمرہ کے اسفار بھی ہوئے۔

سابقہ مشغولیات

دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے فراغت کے بعد ۲۰۰۰ء میں ''جامعہ بیت العلوم'' پہلی مزرعہ، یمنا نگر (ہریانہ) میں مدرس اور مفتی کی حیثیت سے تقرر ہوا، اس کے بعد جامعہ میں ناظم تعلیمات کے منصب پر فائز ہوئے، اور وہاں صرف ایک سال قیام فرما کر سبکدوشی حاصل کی۔

مرکز احیاء الفکر الاسلامی کا قیام

پھر اس کے بعد حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ وصدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی سرپرستی میں ۲۰/رجب ۱۴۲۱ھ مطابق ۱۹/اکتوبر ۲۰۰۰ء کو قصبہ مظفرآباد ضلع سہارنپور (یوپی) میں ''مرکز احیاء الفکر الاسلامی'' کے نام سے ایک دینی، دعوتی اور علمی مرکز قائم کیا، جو اسلامی تعلیم وتربیت کی خدمت انجام دے رہا ہے، اس کی بنیاد صحیح اسلامی فکر پر رکھی گئی ہے، اس کا مقصد علوم اسلامیہ کی اشاعت وحفاظت اور سیرت نبوی اور قرآن وحدیث کے مطابق نئی نسل کی تعلیم وتربیت کا انتظام کرنا ہے۔

مرکز کے شعبہ جات

مرکز کی زیر نگرانی حسب ذیل ادارے اور شعبے سرگرم عمل ہیں:

(۱) جامعۃ الامام ابی الحسن الاسلامیہ (۲) جامعہ فاطمۃ الزہراء للبنات

(۳) ڈپلومہ ان انگلش لنگویج اینڈ لٹریچر (جس سے علماء کے کئی بیچ فارغ ہو چکے)۔

(۴) مرکز الامام ابی الحسن للدعوۃ والبحوث الاسلامیۃ۔

(۵) اے ایس پبلک اسکول (۶) مکتبہ الامام اُبی الحسن العامۃ

(۷) دار البحوث والنشر (جس سے ۱۳۱؍ سے زیادہ کتابیں شائع ہو چکی ہیں)

(۸) دار الافتاء (۹) جمعیۃ اصلاح البیان

(۱۰) مجلس صحافت اسلامیہ (جس سے ماہنامہ ''نقوش اسلام'' ۲۰۰۶ء سے پابندی سے نکل رہا ہے)

(۱۱) شعبۂ تعمیر مساجد (جس کے تحت ۱۵؍ مساجد تعمیر کی جا چکی ہیں)

(۱۲) شعبۂ دعوت وارشاد (۱۳) شعبۂ کمپیوٹرس

موجودہ عہدے اور ذمہ داریاں

ناظم: مرکز احیاء الفکر الاسلامی

مہتمم: جامعۃ الامام ابی الحسن الاسلامیہ

شیخ الحدیث: جامعۃ فاطمۃ الزہراء للبنات

جنرل سکریٹری: دار البحوث والنشر

چیف ایڈیٹر: ماہنامہ ''نقوش اسلام''

اللہ تعالیٰ مولانا موصوف کو صحت وعافیت کے ساتھ رکھے، اور مزید دینی خدمات کی توفیق عطا فرمائے۔

والسلام

محمود حسن حسنی ندوی

تکیہ کلاں رائے بریلی

۴؍ ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ

۱۰؍ اکتوبر ۲۰۱۳ء بروز جمعرات

مقدمہ

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللّٰہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی سید المرسلین محمدٍ وآلہ وصحبہ أجمعین، ومن تبعھم باحسان إلی یوم الدین. أما بعد!

پیش نظر کتاب ''امامت کے مسائل اور احکام'' سے واقف ہوا، جو عزیزم مولوی محمد مسعود عزیزی ندوی کی تالیف ہے، اللہ تعالی موصوف کو علوم شرعیہ کے مطالعہ، غور وخوض اور مسائل دینیہ میں مزید بحث وتحقیق اور تصنیف وتالیف کی توفیق سے نوازے، چونکہ یہ شریعتِ اسلامیہ کا ایک بنیادی اور علمی وعملی موضوع ہے، جس کی ضرورت نہ صرف عوام الناس کو بلکہ طبقہ علماء کو خاص طور سے پڑتی ہے، اس لیے اس میں بحث وتحقیق کرنا اور اس کے تمام احکام ومسائل کا کتاب وسنت اور کتب فقہ کی روشنی میں جائزہ لینا ایک بنیادی ضرورت اور عملی موضوع ہے۔

اس سلسلہ میں بحث وتحقیق کرنا اور ان مسائل واحکام کا جائزہ لینا جو کتاب وسنت اور فقہ و اجتہاد کی کسوٹی پر کھرے اترتے ہوں، ایک دینی بحث اور بنیادی کام ہے، جس کے لیے مؤلف کتاب عنداللہ ماجور اور اسی کے ساتھ قارئین کتاب اور اس فن کے باحثین حضرات کی داد واعتراف کے مستحق ہیں اور اللہ کام کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں فرماتا۔

واللّٰہ لا یضیع أجر العاملین

ابوالحسن علی حسنی ندوی
ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ

۹ر جمادی الاولی ۱۴۲۰ھ
۲ر ستمبر ۱۹۹۹ء

تقریظ

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ

الحمد للّٰہ والصلوۃ والسلام علی سیدنا رسول اللّٰہ محمد وعلی آلہ وصحبہ جمیعاً. وبعد!

پیش نظر کتاب کو دیکھ کر بڑی خوشی ومسرت ہوئی، جس کو عزیزم مولوی محمد مسعود عزیزی ندوی نے امامت نماز اور اس کے فقہی احکام ومسائل کے موضوع پر تالیف کیا ہے، موصوف نے اس کے اندر امامتِ نماز اور اس میں اقتداء کرنے کے احکام کو اصلی اور جزوی دونوں طرح کے فقہی مراجع ومآخذ کی حیثیت رکھنے والی کتابوں سے لے کر یکجا جمع کردیا ہے، اور اس عمل کو بڑی محنت ودیانت اور دقت نظر کے ساتھ انجام دیا ہے، جیسا کہ کتاب پر سرسری نظر ڈالنے ہی سے معلوم ہوتا ہے، مزید یہ کہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کتاب کو دیکھ چکے ہیں اور اس پر تصدیق کے طور پر کچھ تعریفی کلمات بھی تحریر فرما چکے ہیں، جن کے ذریعے مؤلف اس کتاب کو شائع کر رہے ہیں۔

حضرت مولانا کے تعریفی وتصدیقی کلمات کافی ہیں، اس کے بعد مزید کچھ لکھنے، خصوصاً میرے معمولی کلمات کی ضرورت نہیں رہ جاتی؛ لیکن عزیزم مؤلف موصوف نے مجھ سے درخواست کی تو میں نے ان کی دلداری ودل جوئی کے لیے اس کو قبول کرلیا۔

اللہ رب العزت اس کاوش کو بے حد قبول فرمائے اور پڑھنے والوں کیلئے مفید اور مقصود کے حاصل ہونے کا ذریعہ بنائے ''وصلی اللہ تعالیٰ علی نبینا وحبیبنا محمد بن عبداللہ وعلی آلہ وصحبہ وسلم''۔

محمد رابع حسنی ندوی
ندوۃ العلماء، لکھنؤ

۵/۶/۱۴۲۰ھ
۱۶/۹/۱۹۹۹ء جمعرات

پیش لفظ

حضرت مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندویؒ
سابق استاد جامعہ ام القری مکہ مکرمہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وحدہ والصلاۃ والسلام علی رسول اللہ وآلہ وصحبہ أجمعین أما بعد!

مولانا مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی نے نماز میں امامت کے مسائل واحکام پر ایک عمدہ مقالہ پیش کیا ہے، نماز کے لیے امام کو اختیار کرنے میں جن احکام کی رعایت کرنا ضروری ہے، انہیں محنت وکاوش سے جمع کر دیا ہے، یہ اچھی طرح معلوم ہے کہ نماز دین کا ستون ہے جس نے نماز قائم کی، اس نے دین کو قائم کیا اور جس نے نماز چھوڑ دی، اس نے دین کو مسمار کر دیا، اور نماز قائم کرنے کا مطلب جماعت سے نماز پڑھنا ہے اور جماعت کی تکمیل کے لیے لوگوں کو نماز پڑھانے والا امام ضروری ہے، چنانچہ امامت کے کیا شرائط ہیں؟ امام پر کن چیزوں کا اہتمام کرنا ضروری ہے؟ اور مسائل نماز سے واقفیت، طہارت، عقل ورشد کے کیا معنی ہیں؟ اور کیسے نمازیوں کے درمیان اس شخص کے لیے فضیلت ثابت ہوتی ہے، جو لوگوں کو نماز پڑھاتا ہے؟۔

اللہ تعالی ہمارے فقہاء وعلماء پر رحم کرے جنہوں نے ان سارے مسائل کا احاطہ کر کے سب کو اپنی کتابوں میں نقل کر دیا، اور کوئی مسئلہ بھی نہ چھوڑا، مگر یہ مسائل، نماز کے مختلف مسائل کے ضمن میں منتشر اور بکھرے ہوئے تھے، امامت کی اہمیت کے پیش نظر ضروری تھا کہ ان

مسائل کوایک الگ کتاب میں جمع کر دیا جائے تا کہ جب کبھی امامت کے متعلق کسی امر میں نمازیوں کوشبہ ہوتو اس سے رجوع کیا جا سکے۔

مصنف نے بہت اچھا کیا کہ ان مسائل کا استقصاء کیا اور ان کوایک کتاب میں جمع کر دیا جومتولیان مساجد اور وقف بورڈ (جومساجد کے لیے ائمہ کا انتخاب وتعین کرتے ہیں) کے لیے ایک عظیم تحفہ وہدیہ ہے، اور انشاء اللہ اس سے طلبہ واساتذہ کرام اور مسلمان استفادہ کریں گے، جب ان میں اختلاف ہوگا۔

اللہ تعالی نوجوان فاضل مولانا مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی کو اس نفع بخش خوشگوار کاوش وکوشش پر جزائے خیر دے، امید کہ ہر جگہ مسلمانوں کو اس سے فائدہ حاصل ہوگا، اللہ تعالی موصوف کو اسی طرح مزید علمی، دینی وتحقیقی کاموں کی توفیق عطاء فرمائے اور ان جیسے اوروں کو برپا فرمائے، وصلی اللہ علی سیدنا محمد وآلہ وسلم۔

عبداللہ عباس ندوی
دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

۱۴۲۰/۷/۷ھ
۱۹۹۹/۱۰/۱۷ء اتوار

تعارفی کلمات

حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی

مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

الحمد للّٰه رب العالمين، والصلاة والسلام على سيد الأنبياء وإمام المرسلين والمتقين، محمد وعلى آله وصحبه أجمعين. أمابعد!

اسلام نے دینی و دنیوی معاملات میں امت مسلمہ کی قیادت کے لیے امامت کے اصول کی تشریع کر کے اجتماعی زندگی کے کارواں کو منظّم کرنے کا بڑا اہتمام کیا ہے اور اس پر اپنی پوری توجہ مرکوز کی ہے، اور اس کے لیے اس نے اس شخص کو منتخب کیا ہے جو اس عظیم کام کی صلاحیت رکھتا ہو اور جس میں امامت کی شرطیں بدرجہ اتم موجود ہوں تاکہ وہ اس ذمہ داری کو دونوں طرف انجام دے سکے، تو یہ وہی امام ہے، جو زندگی کے چھوٹے بڑے، باریک اور موٹے تمام امور میں اسلامی شریعت کے احکام نافذ کرنے کے لیے امت کی قیادت کا متحمل ہوتا ہے اور یہی مسلمانوں کا امیر یا خلیفہ بننے کے لائق ہوتا ہے، اور یہی ایمان و عقیدہ کی صحیح اور مضبوط بنیاد پر مسلم معاشرہ کی تعمیر پر نگراں ہوتا ہے اور یہی اسلامی اجتماعی و معاشرتی زندگی میں احکام شریعت کا پاس و لحاظ رکھنے والا ہوتا ہے اور اس کو امامت کبری کہا جاتا ہے، اس میں امام اپنی رعیت کا نگراں اور ذمہ دار ہوتا ہے، حدیث میں ہے ”تم میں سے ہر ایک نگراں ہے اور ہر ایک سے اس کی رعیت کے متعلق باز پرس ہوگی، تو امام بھی نگراں ہے، اس سے بھی اس کی رعیت کے متعلق سوال ہوگا۔(۱)

(۱) بخاری، ۸۴۴/۱/۲۳۷ مسلم ۳۴۰۸۔

جہاں تک نماز کی امامت کا تعلق ہے، تو وہ بھی اسی طرح بہت اہمیت کی حامل ہے، اس کی صحت پر دینی، اجتماعی زندگی کی صحت منحصر ہے اور اخلاص، صدق اور ایمان کے ساتھ اللہ کی عبادت کے لیے راہ ہموار ہوتی ہے، پھر اللہ تعالی سے براہ راست تعلق وقربت پیدا ہوتی ہے، جس میں کوئی چیز حائل نہیں ہوتی، اور جب امامت کبری، امامت صغری سے مل جاتی ہے تو اس وقت صحیح مطلوبہ اسلامی زندگی وجود میں آتی ہے اور اسی سے اسلامی تہذیب وثقافت اپنی تمام خصوصیات وامتیازات کے ساتھ جلوہ گر ہوتی ہے۔

نوجوان فاضل مولانا مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی نے یہ کتاب اس موضوع پر ''امامت کے مسائل واحکام'' کے نام سے، کتاب وسنت کی روشنی میں اور علمی وتحقیقی اسلوب میں لکھی ہے، جس سے ان کی وسیع معلومات اور عبادات وسلوکیات سے متعلق فقہی مسائل واحکام میں عمدہ مطالعہ کا پتہ چلتا ہے، جو ہر دور اور ہر جگہ عالمی قیادت اور امت کی اجتماعی امامت کا ذریعہ اور راستہ ہے، ان کو یہ قیمتی توفیق، جس سے اللہ نے انہیں نوازا ہے، مبارک ہو، اس کے ثمرات ان کو دنیا وآخرت میں انشاء اللہ ملتے رہیں گے، اللہ توفیق ودرستگی کا ذمہ دار ہے۔

سعید الرحمٰن اعظمی ندوی
چیف ایڈیٹر ماہنامہ ''البعث الاسلامی''
ندوۃ العلماء لکھنؤ

۲/۷/۱۴۲۰ھ
۱۳/۱۰/۱۹۹۹ء

توثیق

مولانا مفتی رحمت اللہ ندوی

استاذ فقہ وادب دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

برادرم مولانا قاری مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی مدرسہ ضیاء العلوم رائے بریلی سے لے کر دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ تک از عالیہ اولی تا علیا ثانیہ شریعہ ہمارے رفیق درس اور تخصص فی الفقہ والافتاء میں تعلیمی سفر کے شریک رہے، سوانح نگاری اور تذکرہ نویسی ان کا خاص اور محبوب فن ہے، اور اس موضوع پر ان کے کئی اہم سوانح اور تذکرے زمانۂ طالب علمی سے لے کر اب تک منظر عام پر آچکے ہیں، جو بے حد مقبول عام وخاص اور مؤثر ہیں۔

محترم مفتی صاحب صحافت وخطابت اور تعلیم وتربیت نیز کار اصلاح ودعوت کی دنیا میں اپنی نگارشات وتحریرات کے ذریعہ بڑی حد تک متعارف ومعروف ہو چکے ہیں، اس لئے انہیں کسی تعارف کی ضرورت بہت کم رہ گئی ہے، دارالعلوم کے ضابطہ کے مطابق یہاں فضیلت کے آخری سال میں سند حاصل کرنے کے لئے طالب علم کو ایک تحقیقی مقالہ تیار کرنا پڑتا ہے، برادر موصوف نے اپنا مقالہ "الامامة فی الصلاة - مسائلها واحكامها" کے عنوان سے مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ کے زیر اشراف قلم بند کیا تھا، جو بہت پہلے طبع بھی ہو چکا ہے، جب کہ ناچیز کا موضوع "الأيمان - ومافيها من المسائل والأحكام" تھا جو ابھی تک کتابی صورت میں نہیں آسکا ہے اور زیور طبع سے آراستگی کا منتظر ہے۔

پیش نظر کتاب مفتی صاحب کے اسی کتابی شکل میں شائع شدہ عربی مقالہ کا اردو ترجمہ ہے، جسے وہ افادہ عام کی غرض سے (امامت کے احکام ومسائل) کے نام سے منصۂ شہود پر جلوہ گر

کرنے اور قارئین وناظرین کا سرمۂ چشم بنانے کے لئے کوشاں ہیں، یہ ترجمہ قسط وار ان کے ماہنامہ ''نقوش اسلام'' میں شائع ہو چکا ہے، جس کے وہ چیف ایڈیٹر ہیں، مضمون اور موضوع کی اہمیت، افادیت اور عصر حاضر کے تناظر میں اس کی ضرورت کے مدنظر اردو کے قالب میں ڈھال کر کتابی صورت میں پیش کرنے کی ضرورت تھی، مؤلف نے اس کا ترجمہ چونکہ اپنے چند احباب سے کرایا تھا، اور اپنی انتظامی مصروفیات ودیگر علمی مشغولیات اور اسفار وسرگرمیوں کی وجہ سے عدیم الفرصتی کے شکار تھے اور خود کتاب پر نظر ثانی نہیں کر سکتے تھے، اس لئے ترجمہ کا اصلی کتاب سے تقابل اور اس پر نظر ثانی کے لئے ان کی نگاہ انتخاب اپنے اس بے بضاعت دوست پر پڑی اور انہوں نے محض حسن ظن اور اعتماد کی وجہ سے یہ کام اس کے سپرد کر دیا، جو بڑا نازک، اہم اور دقیق ومحنت طلب تھا۔

الحمدللہ حرفاً حرفاً پڑھ کر ترجمہ کی اصلاح وترمیم، اسلوب میں ردوبدل، اغلاط کی تصحیح اور متروک عبارتوں اور پیراگراف کے ترجمہ کی تکمیل کا کام ہوگیا، یہ کتاب بہت مفید ہے، نظر ثانی کے دوران مجھ کو بھی فائدہ محسوس ہوا اور کچھ نئے مسائل دلائل اور تفصیلات کے ساتھ سامنے آئے۔

امید کی جاتی ہے کہ ائمہ مساجد، عوام وخواص، طلبہ وعلماء اور فقہ وفتاوی سے اشتغال رکھنے والے حضرات اس سے خصوصی استفادہ کریں گے، اللہ قبول فرمائے، نافع بنائے اور مؤلف کو مزید توفیق سے نواز کر ترقیات نصیب فرمائے اور بلندیوں پر لے جائے۔ والسلام

خاکسار

رحمت اللہ ندوی

استاد الفقہ واصولہ

دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

۱۴۳۴/۲/۳۰ھ

۲۰۱۳/۱/۱۳ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ مؤلف

الحمد للّٰہ رب العالمین، والصلوۃ والسّلام علی رسول اللّٰہ الأمین، ھادی البشریۃ إلی نور الحق وضیاء الیقین، ومنقذ الإنسانیۃ من براثن الشرک والضلال المھین، محمد وآلہ وصحبہ أجمعین. أما بعد!

مؤلف کے لیے بہت ہی فرحت وانبساط کا موقع ہے کہ وہ قارئین اور ائمہ مساجد کے سامنے یہ کتاب ''امامت کے احکام ومسائل'' پیش کررہا ہے، ناچیز اس کو تصنیف وتالیف کے میدان میں اپنے لیے سب سے عظیم وبہترین کام اور متاع بے بہا سمجھتا ہے اور باری تعالی کی اس توفیق پر حمد وثنا اور شکر سے زبان معمور ہے اور اپنے دل کی گہرائیوں سے شاعر کا یہ قول دہراتا ہے: ؎

فَلَوْ أَنَّ لِیْ فِیْ کُلِّ مَنْبَتِ شَعْرَۃٍ

لِسَاناً لَمَا اسْتَوْفَیْتُ وَاجِبَ حَمْدِہٖ

(اگر میرے جسم کے رونگٹے رونگٹے کو زبان مل جاتی، تب بھی اس ذات کا شکر یہ ادا نہ ہوتا)

دراصل یہ کتاب مصنف کا وہ مقالہ ہے جو ۱۴۲۰ھ میں دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے ''کلیۃ الشریعہ واصول الدین'' کے شعبے سے فضیلت کی سند حاصل کرنے کی غرض سے تیار کیا تھا۔

چونکہ یہ ایک شرعی وعملی اور فقہی موضوع تھا اور اس کے اندر بحث وتحقیق کے ذریعہ اس کے مسائل واحکام کا کتاب وسنت کی روشنی میں جائزہ لینا، اور علماء متقدمین ومتاخرین کے ادلہ

شرعیہ کی روشنی میں مستنبط کردہ اصولی وفروعی مسائل کوواضح کر کے پیش کرنا،ایک اہم وضروری اورپیچیدہ علمی بحث تھی، اور تعلیم وتصنیف کے میدان میں ایک غیرمشہور وکم عمر ہندوستانی مصنف کا اس عظیم ترین موضوع پر بحث کرنا، ایک اچھااقدام اور ایک نیک فال تھا، بس مؤلف کتاب پر یہ اللہ ہی کا خاص فضل ہے، جس نے اس عظیم ترین مہم، نیک کوشش اور مبارک عمل کی توفیق خاص سے اسے نوازا" فالحمدلله على ذلك وله الشكر والمنة".

شروع شروع میں تو راقم سطور کا صرف ایک سرسری مقالہ لکھنے کا ارادہ تھا، بعد میں چند احباب ومتعلقین (خاص طور سے مولانا سید محمود حسن حسنی ندوی) نے مشورہ دیا کہ اسے ایک مفید رسالہ، تحقیقی مقالہ اور علمی مبحث کی شکل میں تیار کیا جائے جس کے اندر اس موضوع کے تمام گوشوں اور مسائل پر روشنی ڈالی جائے؛ کیونکہ بہت سے ائمہ مساجد (جیسا کہ مشاہدہ ہے) اس موضوع کے مسائل واحکام کا کوئی خاص اہتمام نہیں کرتے، جس کے نتیجہ میں وہ بسا اوقات امامت اور اس کے فرائض وواجبات میں ایسی غلطی کر جاتے ہیں، جس سے بڑھ کر غلطی کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا اور مسائل واحکام کے سیکھنے کی طرف توجہ نہیں دیتے جس کی وجہ سے امامت کا فریضہ کما حقہ انجام نہیں دے پاتے، اور اس پر طرہ یہ کہ بعض جگہوں کے لوگ فریضۂ امامت کو بہت ہی گھٹیا اور حقیر کام سمجھتے ہیں اور معمولی قیمت پر امام کو رکھا جاتا ہے، گری ہوئی نظروں سے اسے دیکھا جاتا ہے، مزاحیہ اور حقارت آمیز القاب سے اسے پکارا جاتا ہے، یہاں تک کہ بعض جگہوں میں تو امام کو ایک مزدور اور بے کاری کا خادم سمجھا جاتا ہے، اور ایسے ایسے لوگ اس کی اصلاح کرنے لگتے ہیں، جو خود اپنی اصلاح نہیں کر سکتے، اور جن کی خود اپنے گھروں میں کوئی قدر و قیمت نہیں ہوتی، اور تو اور بعض علماء وفضلاء بھی امامت کے لیے آگے بڑھنے میں اپنی اہانت سمجھتے ہیں، اور بسا اوقات ایسے آدمی کو امامت کے لئے آگے بڑھا دیتے ہیں جو علم وعمل، فضل وتقوی اور عمر میں ہر اعتبار سے ان سے کم ہوتا ہے اور امامت کا بالکل مستحق نہیں ہوتا، راقم سطور نے بعض قصبوں اور دیہاتوں میں اس کا مشاہدہ کیا ہے کہ امامت کے لیے ایسے آدمی کو بڑھا دیتے ہیں، جو فاسق یا فاجر ہوتا ہے، اور شعائر دین واسلام

کی پرواہ بھی نہیں کرتا، بس علماء کا سالبادہ زیب تن کیئے ہوئے اور صالحین کا بھیس اختیار کیئے ہوتا ہے، اس کے بعد وہ چاہے نجاست ظاہری و باطنی یا ان دونوں میں سے کسی ایک سے حفاظت نہ کرتا ہو۔

حالانکہ امامت بہت ہی عظیم الشان، جلیل القدر، مبارک کام اور بڑی ذمہ داری کا عمل ہے، نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی مستقل اور جاری رہنے والی سنت ہے، اس لئے کہ آپؐ نے تاوقت رحلت مسلسل صحابہ کرامؓ کی امامت فرمائی ہے، اور اس پر پابندی کی ہے، اور آپ کے بعد خلفاء راشدین نے اس اہم ذمہ داری کو پابندی سے سرانجام دیا، اسی لئے امامت کی فضلیت واہمیت اور اس کا مقام ومرتبہ احادیث وآثار سے اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین ودیگر صحابہ کرام کی اس عمل پر پابندی سے ثابت ہوتا ہے۔

اس داعیہ کے تحت راقم نے اس مقالہ کو کتابی شکل میں مختلف ابواب پر مشتمل، ایک علمی اور فقہی تحقیق کے طور پر تیار کرنے کا ارادہ کیا، اور خدا کے فضل اور اس کی توفیق سے اس کی تالیف مکمل ہوئی، راقم سطور نے اس کی تالیف کے دوران قرآن واحادیث اور امامت پر لکھی جانے والی کتابوں اور شروحات کا مطالعہ کیا، اور فقہ کی اہم کتابوں سے استفادہ کیا، اور پھر ان سے اہم اقتباسات نقل کرنے اور ان کی جمع وترتیب پر اکتفا کیا ہے، اور آیات واحادیث کی تخریج کی ہے، اور یہ سب محض اللہ کے فضل خاص سے ہوا ہے۔

مصنف کے لیے مسرت وسعادت کی بات ہے کہ جس زمانہ میں یہ سطور لکھ رہا تھا، اللہ تعالی نے اسے مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی امامت کا موقع عنایت فرمایا(۱) اور یہ حضرت مولانا کو ظہر، عصر اور عشاء کی نماز پڑھاتا تھا، اور اس مبارک خدمت کو بحسن وخوبی بڑے شوق ورغبت اور انتہائی اہتمام کے ساتھ انجام دیتا تھا" ذلك فضل الله

---

(۱) اس کے علاوہ بھی مؤلف جامعہ بیت العلوم کے زمانہ طالب علمی میں پپلی مزرعہ گاؤں کی مسجد میں ۱۹۹۰ء/ ۱۹۹۱ء میں نماز پڑھاتا تھا، پھر ۱۹۹۲ء/۱۹۹۴ء میں رائے پور کے زمانہ میں قیام میں امامت کی سعادت حاصل کرچکا ہے، جب کہ اپنے شیخ ومربی حضرت حافظ عبدالرشید رائے پوری کو نماز پڑھاتا تھا۔

يؤتيه من يشاء والله ذو الفضل العظيم“۔

یہ کتاب دس ابواب پر مشتمل ہے، جس میں امامت کے شرائط واحکام، سب سے پہلے حق امامت کس کو حاصل ہے اور اسکی ترتیب کیا ہے، امامت پر اجرت، امام کے اخلاق واوصاف اوراس کے لئے پسندیدہ امور، کن لوگوں کی امامت درست ہے کن کی نہیں، کس کی اقتداء کرنا جائز ہے، کس کی جائز نہیں اور کس کی اقتداء مکروہ ہے، تنہا عورتوں کی جماعت، عورت اور بچے کی امامت، امام اور مقتدی کے افعال، مسئلہ استخلاف، سجدہ سہو وغیرہ دیگر اہم مسائل سے بحث کی ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ اس وقت علمی فقہی بحث وتحقیق کے لیے ایک اہم مرجع کی حامل کتاب ہوگئی ہے، اوراس سے استفادہ کرنا بہت آسان ہوگیا ہے۔

آخر میں استادمکرم حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ سب ایڈیٹر پندرہ روزہ عربی ”الرائد“ کے درجات کی بلندی کے لئے دعا گوہوں، جن کی نگرانی ورہنمائی میں یہ کتاب تیار ہوئی ہے(۱) اسی طرح شیخی ومرشدی مفکراسلام حضرت مولانا سیدابوالحسن علی حسنی ندوی کے رفع درجات کے لئے بھی دعا کرتا ہوں کہ جنھوں نے اپنی گوناگوں مصروفیات اورضعف وعلالت کے باوجود کتاب پر بہت ہی جامع مختصر اور علمی مقدمہ تحریر فرمایا۔(۲)

ناکارہ اپنے دیگر محسنین کا بھی مشکور ہے، جنہوں نے کتاب پر اپنی قیمتی تحریریں ثبت فرمائیں، مثلاً حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی، حضرت مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندویؒ، حضرت مولانا سعیدالرحمٰن اعظمی ندوی مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، اوراسی طرح مخلص دوست مولانا محمود حسن حسنی ندوی بھی لائق تشکر ہیں جنہوں نے مصنف کا تعارف لکھا، اللہ تعالی سبھوں کو اپنی شایان شان اجر عظیم عطا فرمائے۔

اللہ رب العزت ناکارہ کی اس حقیر کوشش کو قبول فرمائے اور ائمہ حضرات کو فائدہ اٹھانیکی توفیق عطا فرمائے، اور میرے والدین واساتذہ کے لیے اس کو دنیا وآخرت میں نجات

---

(۱)۳۰رجنوری ۲۰۱۲ء کو مولانا کا انتقال ہوگیا، غفر اللہ لہ ورفع درجاتہ

(۲)۳۱ردسمبر ۱۹۹۹ء بروز جمعہ رمضان کی ۲۲رتاریخ ۱۴۲۰ھ کو حضرت مولانا کا انتقال ہوگیا۔ نور اللہ مرقدہ

وکامیابی کاذریعہ بنائے،آمین یا رب العالمین ، والحمدللّٰہ الذی بعزته وجلاله ونعمته تتم الصالحات۔

۲۰/۵/۱۴۲۰ھ	محمد مسعود عزیزی ندوی
۳/۹/۱۹۹۹ء	عضو جمعیۃ الاصلاح
	دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

نظرثانی برترجمہ کتاب

۲۰/جمادی الثانیہ ۱۴۳۴ھ

۲/مئی ۲۰۱۳ء بروز جمعرات

پہلا باب
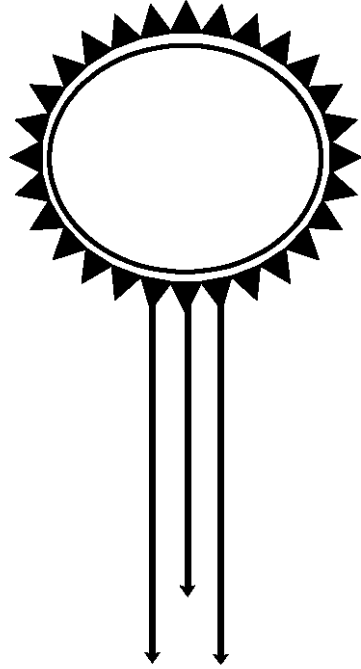
امامت کے احکام اور شرائط

پہلا باب

امامت کے احکام وشرائط

امامت کے لغوی معنی

امامت: لغت میں "أَمَّ يَــؤُمُّ" کا مصدر ہے اور اس کے اصل معنی ہیں کسی چیز کا قصد کرنا اور تقدم (پیش قدمی کرنے) کے معنی میں بھی آتا ہے، عربی میں بولا جاتا ہے "أمهــم وأم بهم" یعنی جب سب سے آگے بڑھ جائے،(۱) ایسے ہی کہا جاتا ہے "فلان أم الناس" یعنی فلاں نے لوگوں کی امامت کی اور وہ ان کا امام بنا اور لوگوں نے اس کی صرف نماز میں اقتداء کی یا نماز اور امر و نہی دونوں میں اس کی اتباع کی۔

اصطلاحی معنی

فقہاء کی اصطلاح میں اس لفظ کا اطلاق دو معنوں پر ہوتا ہے:

(۱) امامت صغریٰ یعنی نماز کی امامت۔

(۲) امامت کبریٰ یعنی اوامر ونواہی میں لوگوں کی امامت کرنا (خلافت)۔

یہاں پر بحث پہلی قسم سے ہے، دوسری کا تعلق بھی چونکہ فقہ سے ہے، اور اس کا قیام فرض کفایہ ہے اور پہلی قسم یعنی نماز کی امامت بھی اسی کے تابع ہے، اس لیے یہاں تھوڑی سی بحث امامت کبری کے بارے میں بھی کی جارہی ہے۔

امامت سے مربوط الفاظ

(۱) قدوۃ: ''اقتداء'' کا اسم ہے، اور اقتداء کے معنی اتباع کرنا ہے، لہٰذا لفظ ''قدوہ'' کا اطلاق اس شخص کے لیے ہوتا ہے جس کی اتباع کی جائے، اسی لیے کہا جاتا ہے "فــلان

(۱) متن اللغۃ وتاج العروس، مادہ أم، بحوالہ الموسوعۃ الفقہیہ جلد ۶ رصفحہ ۲۰۱۔

قدوۃ"یعنی فلاں شخص نمونہ ہے،اس کی اقتداء کی جاتی ہے۔

(۲) اقتداءاور تأسی، دونوں لفظ اتباع کے معنی میں مستعمل ہیں،خواہ اتباع نماز میں ہو یا کسی اور چیز میں، چنانچہ مقتدی امام کی اقتداءو پیروی کرتا ہے،اور اس کے عمل کے مطابق اپنا عمل کرتا ہے، اور اس کا اطلاق مقتدیٰ پر بھی ہوتا ہے،اسی لیے جس کی اقتداء اور اتباع کی جائے اس کو"قدوۃ" اور"اسوۃ" کہا جاتا ہے۔(۱)

امامت کبریٰ

لوگوں پر عام تصرف کا استحقاق امامت کبری کہلاتا ہے جیسا کہ فقہاءؒ نے اس کی تصریح فرمائی ہے"مقاصد" میں اس کی تعریف یہ ہے کہ وہ دین و دنیا کی ایسی ریاست وسرداری ہے جو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خلافت و جانشینی ہے، اور اس کا قیام اہم واجبات میں سے ہے؛ کیونکہ بہت سے دینی واجبات کا دارومدار اسی پر ہے،اسی لیے صاحبِ"عقائد نسفیہ" نے فرمایا ہے کہ مسلمانوں کے لیے ایک ایسے امام کا ہونا بہت ضروری ہے جو ان کے اندر اسلامی احکام اور شرعی حدود نافذ کرے،سرحدوں کی حفاظت وصیانت اور فوج کو تیار کرنے کا کام انجام دے،اور لوگوں سے زکوۃ کی وصولیابی کرے اور حملہ آوروں، شہ زوروں، چوروں اور ڈاکوؤں کا قلع قمع کرے، اور ان کو کچل کر رکھ دے، جمعہ اور عیدین قائم کرے،اور حقوق سے متعلق معاملات میں گواہی قبول کرے، چھوٹے یتیم بچے بچیوں (جن کے ولی نہ ہوں ان) کی شادیاں کرائے اور مال غنیمت کو تقسیم کرے،اسی لیے صحابہ کرام نے امام کی تعیین کو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین پر مقدم کیا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیر کے دن رحلت فرمائی اور منگل کے روز تدفین ہوئی ،ایک قول کے مطابق بدھ کی رات یا بدھ کے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین عمل میں آئی ،لہٰذا یہ سنت آج بھی جاری ہے کہ خلیفہ کے انتقال کرتے ہی دوسرے خلیفہ کا انتخاب تدفین سے پہلے ہی کرلیا جائے۔

---

(۱)المصباح المنیر، والقرطبی ۸/۵۶- والآلوسی ۲۷/۶۹ ،بحوالہ الموسوعۃ الفقہیہ جلد ۶ /صفحہ ۲۰۱۔

امامتِ کبریٰ کے شرائط

امام کا مسلمان ہونا شرط ہے، چونکہ کافر کو مسلمان پر ولایت حاصل نہیں ہے، آزاد، عاقل وبالغ ہونا بھی شرط ہے، اس لیے کہ غلام کو خود اپنے اوپر ولایت حاصل نہیں چہ جائیکہ دوسروں پر ہو اور پھر ولایت متعدیہ ولایت قائمہ ہی کی تو فرع ہے، اسی طرح بچے اور مجنون کا بھی حکم ہے، مرد ہونا بھی شرط ہے، اس لیے کہ عورتوں کو حکم ہے کہ وہ گھروں میں رہیں، لہٰذا ان کا معاملہ پردہ پر موقوف ہے، اور اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "لَا يُفْلِحُ قَوْمٌ تَمْلِكُهُمْ اِمْرَأَةٌ" (۱) (جس قوم پر عورت کی حکمرانی ہو، وہ قوم کبھی بھی فلاح یاب نہیں ہوسکتی)۔

احکام کو نافذ کرنے، مظلوم کو ظالم سے انصاف دلوانے، سرحد بندی کرنے، ظلم وفساد کو مٹانے، حدود اسلام کی حفاظت کرنے اور لشکروں کی کمان سنبھالنے پر قادر ہونا بھی شرط ہے۔

ایک شرط قریشی ہونا ہے، حدیث "اَلْاَئِمَّةُ مِنْ قُرَيْشٍ" (۲) (خلیفہ قریش سے ہوگا) کی وجہ سے، اسی حدیث کی وجہ سے انصار نے خلافت قریش کو سپرد کردی، اس سے ضراریہ کا یہ قول باطل ہوجاتا ہے کہ غیر قریش کے لئے امامت بھی ٹھیک ہے۔

البتہ ہاشمی یعنی ہاشم بن عبدمناف کی اولاد سے ہونا شرط نہیں ہے، جیسا کہ شیعہ حضرات ابوبکر وعمر وعثمان رضی اللہ عنہم کی امامت وخلافت کی نفی میں کہتے ہیں، اور نہ ہی علوی یعنی حضرت علی بن ابی طالب کی اولاد میں سے ہونا شرط ہے جیسا کہ خلافت بن عباس کا انکار کرتے ہوئے بعض شیعوں نے کہا ہے، اور نہ معصوم ہونا شرط ہے، جیسا کہ اسماعیلیہ اور اثنا عشریہ (امامیہ) کا کہنا ہے۔

فاسق کو منصب دینا مکروہ ہے، اگر امام فاسق ہے تو اسے معزول کردیا جائے گا، ہاں! اگر فتنہ کا اندیشہ ہو تو نہیں، پھر اس کے لیے صلاح کی دعاء کرنا ضروری ہے، علامہ شامیؒ نے تصریح

(۱) مسند احمد حدیث نمبر ۱۹۵۴۲-۱۹۵۴۶/ بروایت حضرت ابوبکرہؓ۔
(۲) مسند احمد ۳/۱۸۳-۴/۴۲۱ طبرانی فی الکبیر ۱/۲۲۴۔

فرمائی کہ اس میں عدالت کے شرط نہ ہونے کی طرف اشارہ ہے لیکن ''مسایرۃ'' کے اندر عدالت کو امامت کی شرطوں میں شمار کیا ہے، اور امام غزالیؒ کے مسلک کے مطابق اس کو ورع وتقوی سے تعبیر کیا ہے، اور شرائط میں علم وکفاءۃ کا اضافہ کیا ہے، اور فرمایا: یہ بات ظاہر ہے کہ لفظِ کفاءت، شجاعت سے زیادہ عام ہے، اس لیے کہ کفاءۃ میں ذی رائے اور بہادر ہونا دونوں معنی ہیں، تاکہ امام قصاص لینے، حدود قائم کرنے اور ضروری جنگوں کے کرنے اور لشکروں کو تیار کرنے میں بزدل نہ ہو، اور شجاعت یعنی بہادری کی یہ شرط جمہور علماء کی ہے، پھر فرمایا: مزید ایک اور شرط بڑھائی ہے کہ اصول وفروع میں اجتہاد کی صلاحیت رکھتا ہو، اور ایک قول کے مطابق یہ شرط نہیں ہے اور نہ بہادری شرط ہے، کیونکہ ان تمام چیزوں کا بیک وقت ایک آدمی کے اندر پایا جانا شاذ ونادر ہے، شجاعت واجتہاد کے مقتضیات اور فیصلوں سے متعلق امور دوسروں کو سونپے جاسکتے ہیں، یا علماء کرام سے معلوم کئے جاسکتے ہیں۔

فاسق امام کے متعلق احناف کی رائے

احناف کے نزدیک امامت کی صحت کے لیے عدالت شرط نہیں ہے، چنانچہ فاسق کو کراہت کے ساتھ امام بنانا جائز ہے، اگر عادل کو منصب دیا تھا، پھر وہ ظالم و فاسق ہوگیا تو معزول نہیں کیا جائے گا؛ لیکن اگر فتنہ کا اندیشہ ہو تو وہ عزل کا مستحق ہے اور اس کے لیے صلاح کی دعا کی جائے گی، اس کے خلاف بغاوت نہیں کی جائے گی، اسی طرح امام ابوحنیفہ سے مروی ہے، سب کے سب اس کی یہی توجیہ کرتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ نے بعض شاہانِ بنوامیہ کے پیچھے نماز پڑھی ہے اور ان کی ولایت کو قبول کیا ہے، اور یہ بات محل نظر ہے؛ کیونکہ یہ بات تو معلوم ہے کہ وہ بالادستی سے بننے والے بادشاہ تھے، اس لیے ضرورۃً یہ مذکورہ امور بزور غالب آنے والے کی طرف سے درست ہوں گے، اور کسی امام کے پیچھے صحت نماز میں اس کی عدالت شرط نہیں ہے، اور زبردستی غلبہ پالینے کی وجہ سے حال یہ ہوگیا کہ کوئی موجود نہیں ہے، یا موجود ہے لیکن غلبہ جور وجبر کی وجہ سے اس کو ذمہ دار بنانے پر قدرت نہیں ہے۔

اور جبراً غلبہ پالینے والے کی سلطنت وحکومت ضرورۃ (دفع فتنہ کی وجہ سے) درست ہے، اور یہی حکم بچے کا ہے۔

اور مناسب یہی ہے کہ منصب تفویض کرنے کے امور اس کے ماتحت کسی والی کے حوالہ کئے جائیں، قانون میں سلطان تو وہی لڑکا ہے، جب کہ حقیقتاً وہ والی ہے کیونکہ جمعہ اور قضاء کی اس کی اجازت صحیح اور درست نہیں ہے، اگر سلطان یا والی بالغ ہوجائے تو ازسرنو اس کو ذمہ دار بنانے اور منصب دینے کی ضرورت ہوگی۔

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں جو شخص بغیر اصحاب حل وعقد کی بیعت کے طاقت کے بل بوتے پر جبراً بادشاہ بن بیٹھا ہو تو اس کی سلطنت جائز ہے، اگر مذکورہ بالا شرطیں اس میں پائی جائیں، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اصل چیز اس میں تقلید (ذمہ دار یا عہدہ دار بنانا) ہے۔

اور عقد امامت یا تو خلیفہ کے بنانے سے ثابت ہوتا ہے، جیسا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کیا، یا پھر علماء یا اصحاب رائے اور دانشوروں کی جماعت نے اس سے بیعت کرلی ہو۔

اشعری کے نزدیک کسی ایک ممتاز صاحب رائے عالم کا بیعت کرلینا بھی کافی ہے، اس شرط کے ساتھ کہ چند گواہوں کی موجودگی میں ہو، تاکہ اگر انکار ہو تو اس کی مدافعت ہوسکے، اور معتزلہ نے پانچ شرطیں لگائی ہیں، بعض احناف نے ایک جماعت کے ہونے کی شرط نقل کی ہے جس کی کوئی مخصوص تعداد نہیں۔

یا عقد امامت فتنہ کو ختم کرنے کی ضرورت کے لئے ہوتا ہے، اس لیے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے "اِسْمَعُوا وَأَطِيعُوا وَلَوْ أُمِّرَ عَلَيْكُمْ عَبْدٌ حَبَشِيٌّ أَجْدَعُ" (۱) (تم سمع وطاعت سے کام لو، اگرچہ تم پر کسی کالے کلوٹے، نکٹے غلام کو امیر بنادیا جائے)۔

اسی طرح بچے کی سلطنت بھی بصورت مجبوری درست ہے؛ لیکن صرف ظاہراً حقیقتاً نہیں، صاحب "اشباہ" نے کہا ہے کہ اس کی سلطنت ظاہراً درست ہے، "بزازیہ" میں ہے کہ جب بادشاہ کا انتقال ہوجائے اور رعایا اس کے نابالغ بیٹے کو بادشاہ بنانے پر متفق ہوجائے تو

(۱) بخاری شریف ۶۶۰۹ / اس کے الفاظ "وإن استعمل عليكم" ہیں، ابن ماجہ: ۲۸۵۲۔

مناسب ہے کہ تفویض مناصب کے امور کسی والی کے سپرد کردیئے جائیں اور یہ والی اپنے آپ کو خود سلطان کے بیٹے کے تابع سمجھے، اس کے شرف کی وجہ سے، اور قانوناً بیٹا اور حقیقتاً والی سلطان ہوگا؛ کیونکہ اگر والی حقیقتاً سلطان نہ ہو تو اس بچہ کے نابالغ ہونے کی وجہ سے قضاء و جمعہ اس کی اجازت سے درست نہیں، لہٰذا مناسب ہے کہ اس والی کو ایک مدت تک سلطان کہا جائے گا اور وہ مدت بچے کا بالغ ہوجانا ہے، تاکہ بلوغ کے بعد بچے کی تولیت کے وقت اپنے آپ کو معزول کرنے کی ضرورت نہ پڑے، حموی نے کہا ہے "تجدید تقلید بلوغ کے بعد نہیں ہوگی الا یہ کہ وہ والی اپنے آپ کو معزول کردے؛ کیونکہ سلطان خود معزول نہیں ہوتا، البتہ وہ اپنے آپ کو معزول کردے تو اور بات ہے اور ایسا ہوتا نہیں ہے" علامہ شامیؒ نے فرمایا: کہا جاتا ہے کہ اس والی کی سلطنت مطلق نہیں ہے؛ بلکہ سلطان کے بیٹے کے صغرسنی کے ساتھ مقید ہے، چنانچہ جیسے ہی وہ بچہ بالغ ہوگا، اس والی کی سلطنت خود بخود ختم ہوجائے گی۔(۱)

امامتِ صغریٰ

امامت صغریٰ یعنی نماز کی امامت مشہور ہے، اس کی شکل یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی نماز کو ایک ایسے امام کی نماز کے ساتھ جوڑ دے جس میں وہ تمام شرطیں موجود ہوں جو آگے آرہی ہیں، اور پھر وہ قیام، رکوع و سجود اور جلوس وغیرہ میں اس کی اقتدا و پیروی کرے، اسی "ربط" اور جوڑ کا نام امامت ہے، اور یہ بات خوب واضح ہے کہ یہ ربط مقتدی کی طرف سے ہوتا ہے، اس لیے کہ یہ لفظ افعال نماز میں مقتدی کا امام کی اتباع کرنے سے کنایہ ہے، لہٰذا اگر مقتدی کی نماز باطل ہوجائے تو امام کی نماز باطل نہیں ہوتی، برخلاف اس کے کہ اگر امام کی نماز باطل ہوجائے تو مقتدی کی نماز بھی باطل ہوجاتی ہے اس لئے کہ وہ اپنی نماز کو امام کی نماز کے ساتھ جوڑ چکا ہے۔(۲)

امامت کے لیے کتنے آدمی ہوں؟

نماز میں امامت کے ثبوت کے لیے امام کے علاوہ ایک آدمی یا اس سے زائد ہونا ضروری

(۱) ردالمحتار علی الدر المختار باب الامامۃ جلد ۲ رصفحہ ۲۴۲۔
(۲) کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ جلد اول صفحہ ۳۵۸۔

ہے، اس میں کوئی فرق نہیں کہ وہ ایک فرد مذکور عورت ہو یا مرد، اس پر اتفاق ہے، مرد اگر وہ کوئی باشعور بچہ ہو تو احناف وشوافع کے نزدیک اس سے امامت کا ثبوت ہو جائے گا، حنابلہ اور مالکیہ کا قول اس کے خلاف ہے، وہ کہتے ہیں کہ تنہا کسی نابالغ باشعور بچہ کے ساتھ جماعت وامامت کا تحقق نہیں ہوگا۔(۱)

جماعت پنجگانہ کا حکم اور اس کی دلیل

تمام مذاہب کے ائمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ فرض نمازوں میں امامت مشروع ومطلوب ہے، لہٰذا مکلّف آدمی کے لیے تنہا نماز پڑھنا مناسب نہیں، الاّ یہ کہ کوئی عذر ہو، جن کا ذکر آگے آرہا ہے، حنابلہ کہتے کہ جماعت پانچوں فرض نمازوں میں فرض عین ہے؛ لیکن ائمہ ثلاثہ میں سے کسی نے ان سے اتفاق نہیں کیا ہے، حنابلہ اور ان کے ہم خیال علماء کا استدلال بخاری شریف کی اس حدیث سے ہے: ”عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: وَالَّذِیْ نَفْسِی بِيَدِهٖ لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ آمُرَ بِحَطَبٍ فَيُحْتَطَبُ، ثُمَّ آمُرَ بِالصَّلَاةِ فَيُؤَذِّنُ لَهَا، ثُمَّ آمُرَ رَجُلًا فَيَؤُمُّ النَّاسَ، ثُمَّ أُخَالِفَ إِلٰى رِجَالٍ، فَأُحَرِّقَ عَلَيْهِمْ بُيُوْتَهُمْ، وَالَّذِیْ نَفْسِی بِيَدِهٖ لَوْ يَعْلَمُ أَحَدُهُمْ أَنَّهٗ يَجِدُ عِرْقًا سَمِيْنًا، أَوْ مِرْمَاتَيْنِ حَسَنَتَيْنِ لَشَهِدَ الْعِشَاءَ“۔(۲)

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، میں چاہتا ہوں کہ لوگوں کو لکڑیاں اکٹھی کرنے کا حکم دوں، پھر جب لکڑیاں اکٹھی ہو جائیں تو میں نماز کے لیے مؤذن کو اذان کا حکم دوں، پھر ایک آدمی کو حکم دوں کہ لوگوں کی امامت کرے، پھر میں ان لوگوں (جو گھروں میں نماز پڑھ رہے ہوں) کے پاس جاؤں اور ان کے گھروں کو جلا دوں، اور قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، اگر لوگوں کو پتہ چل جائے کہ ان کو گوشت کا بڑا ٹکڑا ملے گا، یا دو

(۱) کتاب الفقہ جلد ا رصفحہ ۳۵۸۔
(۲) بخاری حدیث نمبر ۶۰۸۔

بہترین تیر ملیں گے (جس سے تیراندازی کر کے شکار کیا جائے) تو وہ عشاء کی نماز میں ضرور حاضر ہوں۔

یہ حدیث فرضیت جماعت پر دلالت کرتی ہے، اس لیے کہ آگ میں جلانے کی سزا تو فرض کے ترک کرنے اور حرام مغلظ کے ارتکاب پر ہی ملتی ہے، اور اس سے یہ بھی لازم نہیں آتا ہے کہ ان کو بالفعل جلایا جائے، بلکہ اس سے صرف جماعت کا مہتم بالشان ہونا اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کا اہتمام فرمانا معلوم ہوتا ہے، یہ ایک توجیہ ہے؛ لیکن بلاشبہ اس حدیث میں سوائے عشاء کی نماز کے دیگر نمازوں کا ذکر نہیں ہے، چنانچہ حنابلہ اور ان کے متبعین اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے یہ توجیہ کرتے ہیں کہ اس حدیث کو تنہا نماز عشاء کے لیے تو دلیل بنایا جا سکتا ہے، باقی چار نمازوں کے لیے اس سے استدلال نہیں کیا جا سکتا۔

دیگر مذاہب کے علماء نے اس کے بہت سے جوابات دیئے ہیں، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ یہ حدیث زمانہ ابتداء اسلام کی ہے، جب کہ مسلمان بہت کم تعداد میں تھے اور عشاء کی نماز میں جماعت خاص طور سے لازم تھی، چونکہ یہ کاموں سے فراغت کا وقت ہوتا تھا، جب مسلمانوں کی تعداد بڑھ گئی تو یہ حدیث ایک دوسری حدیث سے منسوخ ہوگئی، جس میں فرمایا گیا ہے "صَلاَةُ الْجَمَاعَةِ تَفْضُلُ بِصَلاَةِ الْفَذِّ بِسَبْعٍ وَّعِشْرِيْنَ دَرَجَةً"۔(۱)

ترجمہ: جماعت کی نماز اکیلے نماز پڑھنے سے ستائیس گنا زیادہ افضل ہے، اس لیے یہاں افضلیت کا تقاضا ہے کہ اشتراک فی الفضل ہو، اور تنہا نماز پڑھنے کی فضیلت سے لازم آتا ہے کہ وہ بھی جائز ہے، اور یہ بھی ہے کہ جماعت سے پیچھے رہنے والے کے حق میں تحریق فی النار والی حدیث کا نسخ بالاتفاق ثابت ہوگیا ہے، تو اس سے جماعت کی فرضیت پر استدلال کمزور ہے، اور حنابلہ نے جماعت کی فرضیت پر قرآن کریم کی اس آیت سے بھی استدلال کیا ہے "وَإِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلاَةَ فَلْتَقُمْ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ مَعَكَ، وَلْيَأْخُذُوْا أَسْلِحَتَهُمْ، فَإِذَا سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَاءِ كُمْ وَلْتَأْتِ طَائِفَةٌ أُخْرىٰ لَمْ يُصَلُّوْا،

(۱) مسند احمد ۲/۳۲۸، موطا امام مالک ۱/۱۲۹۔

فَلْیُصَلُّوا مَعَكَ، وَلْیَأْخُذُوا حِذْرَهُمْ وَأَسْلِحَتَهُمْ“۔(۱)

(اور جب تو ان میں موجود ہو، پھر ان کے لئے نماز قائم کرے،تو چاہئے ایک جماعت ان کی کھڑی ہو تیرے ساتھ، اور ساتھ لے لیویں اپنے ہتھیار، پھر جب یہ سجدہ کریں تو ہٹ جاویں تیرے پاس سے، اور آوے دوسری جماعت، جس نے نماز نہیں پڑھی، وہ نماز پڑھیں تیرے ساتھ، اور ساتھ لے لیویں اپنا بچاؤ اور ہتھیار)۔

جماعت کی مشروعیت

وجہ استدلال یہ ہے کہ اللہ تعالی نے حالت جنگ کے سخت وتنگ موقع پر نماز با جماعت کا مسلمانوں کو مکلّف بنایا ہے،تو اگر جماعت فرض نہ ہوتی تو ان کو اس حالت میں اس طریقہ سے نماز پڑھنے کا مکلّف نہ بنایا جاتا؛لیکن دیگر مذاہب کے علماء کی رائے اس سلسلہ میں یہ ہے کہ بے شک یہ آیت جماعت کی مشروعیت پر دلالت کرتی ہے، نہ کہ اس کے فرض عین ہونے کو بتاتی ہے، رہا ان کا یہ قول کہ یہ خوف وشدت کا وقت ہے،تو یہ بالکل صحیح ہے؛لیکن صحابہ کو ایسی کیفیت کے ساتھ نماز کی تعلیم دینا، اس میں زیادہ احتیاط وہوش داری ہے، بالمقابل اس کے کہ وہ تنہا نماز پڑھتے ، اس لیے کہ جو دستہ فوج کے سامنے ہے، وہ دوسرے گروہ کا محافظ ہے، اگر دشمنوں کو ان پر اچانک حملہ کرنے کا موقع مل جائے تو نگراں فوج نماز پڑھنے والوں کو باخبر کردے تاکہ وہ نماز کی نیت توڑ کر اپنے دشمن کا مقابلہ کریں، اور یہ غایت درجہ کی باریکی اور احتیاط ہے،ہاں! یہ ضرور ہے کہ ان اولین مسلمانوں کے نزدیک یہ آیت جماعت کی اہمیت پر دلالت کرتی ہے؛ جو زندہ جاوید خالق کائنات کی عظمت اور اس کی حقانیت اور لازوال ذات پر پورا یقین رکھتے تھے، اور نماز کو اپنے خالق کے سامنے نہایت ہی عاجزی وانکساری کا ذریعہ سمجھتے تھے، اور حالات کتنے ہی نازک وخطرناک کیوں نہ ہوں، اس میں تساہل کی گنجائش نہیں سمجھتے تھے ، اس میں کوئی شک نہیں کہ نماز باجماعت بالاتفاق تمام ائمہ کے نزدیک مطلوب ہے، اختلاف صرف اس بات میں ہے کہ پانچوں نمازوں میں جماعت فرض عین ہے یا نہیں؟

(۱)سورہ نساء آیت نمبر ۱۰۲۔

چنانچہ جمہور علماء کے نزدیک جماعت فرض عین نہیں ہے۔

احناف کے یہاں جماعت سنت مؤکدہ ہے

بعدہ، احناف اس مسئلہ میں کہتے ہیں کہ فرض نمازوں میں جماعت سنت عین مؤکدہ ہے، اسی کو آپ چاہیں تو واجب بھی کہہ سکتے ہیں، اس لیے کہ صحیح قول کے مطابق سنت مؤکدہ ہی کو واجب کہتے ہیں، اور آپ بخوبی جانتے ہوں گے کہ احناف کے یہاں واجب کا درجہ فرض سے کچھ کم ہے اور واجب کا تارک فرض کے تارک سے کم گنہ گار ہوگا، اور یہ بات پہلی رائے کے ساتھ متفق ہے؛ لیکن یہ لوگ ان مالکیہ سے مسئلہ ''قتال اہل البلدۃ'' (یعنی شہر میں رہ کر جنگ کرنے والے) میں اختلاف کرتے ہیں، جو یہ کہتے ہیں کہ جماعت اس کے چھوڑ دینے کی وجہ سے وہ سنت عین مؤکدہ ہے، اور فرض نمازوں میں عاقل، آزاد، مردوں کے لیے سنت ہے، جب کہ ان کو آگے آنے والے اعذار میں سے کوئی عذر لاحق نہ ہو اور وہ بے لباس نہ ہوں۔(۱)

جماعت کی نماز تنہا نماز سے ۲۷ رگنا افضل ہے

''بدائع'' میں ہے کہ ہمارے عام مشائخ اس کے وجوب کے قائل ہیں، امام کرخیؒ نے ذکر کیا ہے کہ جماعت سنت ہے، اور اس روایت سے استدلال کیا ہے جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' صَلاَةُ الْجَمَاعَةِ تَفْضُلُ عَلىٰ صَلاَةِ الْفَرْدِ بِسَبْعٍ وَّعِشْرِيْنَ دَرَجَةً''(۲) وَفِيْ رِوَايَةٍ:''بِخَمْسٍ وَّعِشْرِيْنَ دَرَجَةً''۔(۳)

نماز باجماعت تنہا نماز پڑھنے سے ۲۷ گنا زیادہ افضل ہے، اور ایک روایت میں ۲۵ رگنا زیادہ کا ذکر بھی ہے، تو یہاں جماعت کو فضلیت حاصل کرنے کے لئے ضروری قرار دینا اس کے سنت ہونے کی علامت ہے، اور جمہور کے قول کی بنیاد کتاب وسنت اور امت کا تواتر ہے۔

---

(۱) کتاب الفقہ جلد اول ص ۳۶۰۔

(۲) بخاری جلد ۲ر صفحہ ۱۳۱ر کتاب الاذان۔

(۳) مسلم فی المساجد برقم ۶۴۹)

کتاب اللہ کی دلیل ارشاد باری "وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ" ہے، اس میں اللہ تعالی نے رکوع کرنے والوں کے ساتھ مل کر رکوع کرنے کا حکم فرمایا ہے، اور یہ رکوع میں شرکت کی حالت میں ہوتا ہے، تو اس طرح گویا نماز با جماعت ادا کرنے کا حکم ہے، اور مطلق صیغۂ امر وجوب کے لیے ہوتا ہے۔

سنت کی دلیل یہ حدیث ہے "لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ آمُرَ رَجُلاً يُصَلِّي بِالنَّاسِ اِلیٰ آخره" (۱) آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ میں ایک شخص کو حکم دوں کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے اور پھر ان لوگوں کے پاس جا کر جو جماعت میں شریک نہ ہو کر پیچھے رہ گئے، ان کے گھروں کو جلا دوں، لہٰذا اس طرح کی وعید تو واجب ہی کے ترک کرنے پر وارد ہوتی ہے۔

سنت مؤکدہ اور واجب کا حکم ایک ہی ہے

امت کا اس پر متواتر طریقے سے عمل کرنا بھی وجوب کی دلیل ہے، چنانچہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے آج تک امت نے اس کی پابندی کی ہے اور اس کے تارک پر نکیر کی ہے، اس طریقہ سے پابندی بھی وجوب کی دلیل ہے اور یہ حقیقت میں کوئی اختلاف نہیں ہے، صرف عبارت کا فرق ہے، اس لیے کہ سنتِ مؤکدہ اور واجب برابر ہی ہوتے ہیں، خاص طور سے جو چیز شعائر اسلام میں سے ہو، آپ کو معلوم نہیں ہے کہ امام حسن کرخیؒ نے جماعت کو سنت کہا ہے، اور پھر اس کی تفسیر واجب سے کی ہے، انہوں نے فرمایا: "اَلْجَمَاعَةُ سُنَّةٌ، لَا يُرَخَّصُ لِأَحَدِ التَّأَخُّرُ عَنْهَا إِلَّا لِعُذْرٍ، وَهُوَ تَفْسِيرُ الْوَاجِبِ عِنْدَ الْعَامَّةِ" (۲) جماعت سنت مؤکدہ ہے بغیر کسی عذر کے کسی کے لیے جماعت چھوڑنا جائز نہیں ہے اور جمہور کے نزدیک واجب کی یہی تفسیر ہے۔ (۳)

---

(۱) بخاری شریف جلد ۲ رصفحہ ۱۲۵ رمسلم شریف جلد ۱ رصفحہ ۴۵۱۔

(۲) بدائع الصنائع جلد اول صفحہ ۳۸۴۔

(۳) بدائع الصنائع جلد اول صفحہ ۳۸۴۔

جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کی اہمیت

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ اپنی کتاب ''ارکان اربعہ'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ ''فرض نماز، جماعت کے ساتھ ادا کرنے کا حکم ہے اور اسلام میں نماز کا مزاج اور اس کی صحیح شکل یہی ہے ''وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ'' (رکوع کرو، رکوع کرنے والوں کے ساتھ)''۔(۱)

یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کرام اس پر اس طرح سختی سے مداومت کرتے رہے کہ گویا وہ بھی نماز کا جز ہے اور نماز کے اندر داخل ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض وفات میں بھی اس کو ترک نہ فرمایا، صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب بیماری سے بوجھل ہوئے تو (نماز کے وقت) فرمایا کہ لوگوں نے نماز پڑھ لی؟ ہم نے کہا نہیں! لوگ آپ کا انتظار کر رہے ہیں، آپ نے فرمایا: برتن میں میرے لیے پانی رکھدو، ہم نے رکھ دیا، تو آپ نے وضو فرمایا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اٹھنا چاہا تو بے ہوش ہو گئے، پھر افاقہ ہوا تو آپ نے سوال فرمایا کہ کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی؟ ہم نے عرض کیا نہیں! وہ تو آپ کا انتظار کر رہے ہیں، آپ نے فرمایا: میرے لیے برتن میں پانی رکھ دو، آپ نے وضو فرمایا اور اٹھنا چاہا کہ پھر بیہوش ہو گئے، پھر جب افاقہ ہوا تو آپ نے پھر وہی سوال فرمایا کہ کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی؟ ہم نے پھر وہی جواب دیا کہ نہیں! وہ تو آپ کے انتظار میں ہیں، لوگوں کا یہ حال تھا کہ وہ مسجد میں بیٹھے عشاء کی نماز کے لئے آپ کا انتظار کر رہے تھے، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نماز پڑھانے کے لیے کہلا بھیجا''۔(۲)

جماعت میں صرف دو قسم کے لوگ سستی کرتے ہیں

صحابہ کرام اس جماعت کی پابندی کا جس قدر اہتمام کرتے تھے، اس کا اندازہ مندرجہ ذیل

(۱) سورۂ بقرہ آیت ۴۳۔

(۲) بخاری شریف حدیث نمبر ۶۲۹/۶۴۶ رومسلم شریف حدیث نمبر ۶۲۹۔

ارشاد سے ہوگا کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں ''آدمی کو اس حالت میں لایا جاتا کہ دو آدمیوں کے درمیان لڑکھڑاتا ہوا چلتا، یہاں تک کہ صف میں لاکھڑا کر دیا جاتا'' (۱) انہی سے دوسری روایت ہے ''ہم نے اپنے آپ کو دیکھا ہے کہ جماعت سے صرف دو قسم کے آدمی پیچھے رہتے تھے، وہ منافق جس کا نفاق سب کو معلوم ہو، یا مریض''۔(۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جماعت چھوڑنے والوں پر سخت نکیر فرماتے تھے، کتب صحاح میں حضرت ابو ہریرۃؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ لوگوں کو بعض نمازوں میں نہ دیکھا تو فرمایا: میں سوچتا ہوں کہ ایک آدمی کو حکم دوں کہ وہ نماز پڑھائے، پھر ان لوگوں کے پاس جاؤں جو جماعت سے پیچھے رہ جاتے ہیں، پھر حکم دوں کہ لکڑیوں کے ڈھیر سے ان کے گھروں کو آگ لگا دی جائے۔(۳)

جماعت کی بعض حکمتیں اور آداب ومصالح

نماز باجماعت کے اندر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لئے چند باریک حکمتیں اور بعض عظیم مصلحتیں رکھی ہیں، ان میں کچھ اجتماعی اور اخلاقی ہیں، مثلاً وحدت واجتماع اور تعاون وتعارف وغیرہ، جن پر علماء اسلام اور اہل قلم نے بہت کچھ لکھا ہے، اور خوب فیض پہنچایا ہے، ان میں وہ حکمتیں بھی ہیں جو بہت نازک ہیں، جن تک بہت سے معاصر اہل قلم واہل فکر کی رسائی نہیں ہوسکی۔(۴)

ان فوائد اور حکمتوں میں سے ایک حکمت یہ ہے کہ جب مسلمان اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر امید کا دامن تھامے ہوئے، خوف سے بھرے ہوئے، سر تسلیم خم کئے ہوئے جمع ہوتے ہیں، تو ان کے اس اجتماع کی وجہ سے برکتوں کا نزول ہوتا ہے، رحمتیں اترتی ہیں اور ایک

(۱) مسلم شریف حدیث ۱۰۴۶/ نسائی حدیث نمبر ۸۴۰۔
(۲) مسلم شریف حدیث نمبر ۱۰۴۵۔
(۳) مسلم شریف باب فضل الصلاۃ بجماعۃ وبیان التشدید فی التخلف عنہا۔
(۴) حجۃ اللہ البالغہ صفحہ ۲۱/۱۹۔

عجیب سماں پیدا ہو جاتا ہے، استسقاء کی اجتماعی دعاء، اس کی جماعت اور حج کے اجتماعات کا راز یہی ہے۔(۵)

جماعت درحقیقت پوری زندگی کی تربیت ہے

ایک حکمت یہ ہے کہ عبادات پر ہمت وحوصلہ اور ان نمازوں پر مداومت اور اس کے احسان واتقان اور کثرت وزیادتی میں تنافس کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، اگر ان عبادات میں انفرادیت یا ناواقفیت کی وجہ سے کوئی خلل واقع ہو جاتا ہے تو جماعت سے اس کی اصلاح ہو جاتی ہے، نماز کے احکام وآداب، اس کے اذکار اور قرأت کا سیکھنا اور سمجھنا اور علماء وفقہاء اور اللہ کے مخلص بندوں کی نقل وپیروی کے بہتر مواقع حاصل ہوتے ہیں۔

اس کا ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ بعض اوقات بعض مخلص کے اخلاص، انابت اور توجہ الی اللہ اور خشوع کا اثر پوری جماعت پر پڑتا ہے، اور کسی ایک مرد خدا کا صدق واخلاص بہت سے افسردہ وشکستہ دلوں کے لئے حیات نو کا پیغام اور کمزور ہمتوں کے لیے مہمیز بن جاتا ہے اور کبھی سب کی عبادت کی قبولیت کا سبب بن جاتا ہے، اس سے صرف نظر جماعت میں جو ضعف یا خلل یا کوتاہی ہے، کیونکہ یہ معقول ومنقول کے خلاف نہیں، اس لیے کہ اہل اخلاص اور اہل دل وہ لوگ ہیں جن کا ہم نشیں کبھی محروم نہیں ہوتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صفوں کی درستی کا بڑا اہتمام تھا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں خلل اور ناہمواری اور کوتاہی کرنے والوں پر سخت نکیر فرماتے تھے، اس کی وجہ یہ ہے کہ جماعت کے فوائد کا حصول اور ان کی تکمیل بغیر اس پر پابندی اور سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح مسلمانوں کے کھڑے ہوئے ممکن نہیں، اس کے لئے نماز اور جماعت درحقیقت پوری زندگی کی تربیت ہے، اگر کسی نے نماز صحیح طریقہ سے نہ پڑھی تو وہ دنیا وآخرت کا کوئی کام بھی اچھی طرح نہیں کرسکتا۔

---

(۱) حجۃ اللہ البالغہ صفحہ ۱۹/۲۱ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ۔

نماز میں صفوں کو درست رکھنے کا حکم

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”سَوُّوا صُفُوفَكُمْ فَإِنَّ تَسْوِيَةَ الصُّفُوفِ مِنْ إِقَامَةِ الصَّلَاةِ“ (۱) تم اپنی صفیں سیدھی رکھو، اس لئے کہ صفوں کو سیدھا اور ٹھیک رکھنا نماز قائم کرنے میں سے ہے۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری صفوں کو اس طرح درست اور برابر کرنے کا اہتمام فرماتے گویا کہ آپ ان سے تیر کا نشانہ لے رہے ہوں، اور یہ عمل اس وقت تک کرتے رہتے یہاں تک آپ نے محسوس فرمالیا کہ ہم آپ کی بات سمجھ چکے ہیں، پھر ایک دن ہمارے پاس نکل کر آئے اور مصلیٰ پر کھڑے ہوگئے اور تکبیر تحریمہ کہہ کر نیت باندھنے ہی والے تھے کہ ایک شخص کو دیکھا کہ اس کا سینہ صف سے تھوڑا آگے نکلا ہوا ہے، تو فرمایا: ”اے اللہ کے بندو! تم اپنی صفیں ضرور سیدھی رکھو، ورنہ اللہ تم میں پھوٹ ڈال دے گا“۔ (۱)

جماعت کی پابندی کو دین کی سلامتی وحفاظت اور دینی ماحول کے بقاء واستحکام میں بڑا دخل ہے

جمعہ اور جماعت اور شہروں وعلاقوں میں مسلمانوں کا ان کی پابندی کرنے کا، اس دین کی سلامتی وحفاظت اور اسلامی شریعت اور دینی ماحول کے بقا واستحکام میں بڑا دخل ہے، جس صورت پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام اس کو چھوڑ گئے تھے، اس کی وجہ سے یہ دین تحریفات کا شکار ہونے اور بازیچۂ اطفال بننے سے محفوظ رہا، اگر خدانخواستہ مسلمان یہ دو چیزیں جمعہ اور جماعت ترک کردیتے اور اپنے اپنے گھروں میں الگ تھلگ ہوکر تنہا اپنی

---

(۱) بخاری شریف حدیث نمبر ۶۸۱ / مسلم شریف حدیث نمبر ۶۵۶۔

(۲) مسلم شریف حدیث نمبر ۶۶۰۔ ارکان اربعہ صفحہ ۵۶۔

عبادات اور نمازیں ادا کرلیا کرتے، تو اس وقت ان نمازوں کی شکل وصورت تک پہچانی نہ جاتی، بلکہ بہت مسخ ہوجاتی، اور وہ اپنی اصلیت اور پہلی ساخت کھوچکی ہوتیں، اور ان میں بڑا اختلاف پیدا ہوجاتا، اس کے نتیجہ میں مسلمان نماز میں مختلف ومتنوع ہوجاتے اور مختلف ٹکڑوں اور فرقوں میں بٹ جاتے، جس طرح وہ اپنی تمدنی زندگی کے بہت سے مظاہر اور معاشرتی وسماجی آداب میں تھے، اسی طرح ان کی عبادتوں اور نمازوں کے بھی مختلف مظاہر اور مختلف انفرادی اور مقامی نمونے اور طرز ہوتے جیسا کہ یہودیت ونصرانیت کے ہیں اور جیسا کہ ہندوستان کے مشرکانہ مذاہب اور اس کے مذہبی گروہوں میں رائج ومشہور ہے، اس لحاظ سے یہ جماعت عبادات میں مسلمانوں کی وحدت ویکسانیت اور دین کو تحریف سے استحکام عطا کرنے میں بہت اہم اور مؤثر ومحرک ذریعہ ہے۔(۱)

جماعت کی نماز تنہا نماز سے کئی گنا افضل ہے

ان مذکورہ بالا حکمتوں اور مصلحتوں اور ان میں موجود اہتمام وتوجہ اور ان چیزوں کی بنا پر جن کو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا اور ہم اپنے علم سے ان کا احاطہ نہیں کرسکتے، جماعت کی نماز، انفرادی نماز سے کئی گنا افضل ہے (جیسا کہ گزر چکا ہے)

چنانچہ حضرت ابو ہریرہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ ”جماعت کے ساتھ آدمی کی نماز گھر یا بازار میں نماز پڑھنے سے پچیس گنا افضل ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ جب وہ وضو کرتا ہے اور اچھی طرح وضو کرتا ہے پھر مسجد کی طرف چلتا ہے اور صرف نماز ہی کے لئے نکلتا ہے، تو اس کے ہر قدم پر ایک درجہ بلند کیا جاتا ہے اور ایک گناہ معاف کیا جاتا ہے، جب وہ نماز پڑھ لیتا ہے تو جب تک وہ اپنے مصلیٰ سے نہیں ہٹتا، اس وقت تک فرشتے اس کے لئے یہ دعا کرتے ہیں ”اللّٰھم صل علیه، اللّٰھم ارحمه“ (اے اللہ! اس پر اپنا سلام ورحمت بھیجئے، اے اللہ! اس پر رحم فرمائیے) اور جب تک تم میں سے کوئی آدمی نماز کے انتظار میں ہوتا ہے، نماز ہی

(۱) حجۃ اللہ البالغہ

میں سمجھا جاتا ہے (۱) حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ ”جماعت کے ساتھ نماز انفرادی نماز سے ستائیس درجہ افضل ہے“۔(۲)

نماز جمعہ و جنازہ اور نوافل میں جماعت کا حکم

پنجوقتہ فرض نمازوں میں امامت کا حکم آپ جان چکے ہیں، اس کے علاوہ باقی دیگر نمازوں مثلاً نماز جنازہ، جمعہ، عیدین، کسوف، استسقاء اور بقیہ نوافل میں جماعت کا حکم جاننا رہ گیا ہے، جمعہ اور عیدین کی صحت کے لیے جماعت شرط ہے، اور تراویح اور جنازہ میں جماعت سنت کفایہ ہے، اور نفل نمازوں میں مطلقاً مکروہ ہے اور غیر رمضان میں وتر میں مکروہ ہے، اور اس میں جماعت اس وقت مکروہ ہے جب مقتدی تین سے زیادہ ہوجائیں، اور رمضان کے وتر کی جماعت میں دو صحیح قول ہیں: ایک یہ ہے کہ جماعت مستحب ہے، اور دوسرا یہ کہ غیر مستحب ہے؛ لیکن جائز ہے اور یہی زیادہ راجح ہے۔(۳)

امامت اور اقتداء کے شرائط

نماز میں امام کی اقتداء کی دس شرطیں ہیں اور وہ یہ ہیں:

(۱) مقتدی کا اقتداء کی نیت کرنا۔

(۲) مقتدی و امام دونوں کی جگہ کا ایک ہونا۔

(۳) دونوں کی نماز کا ایک ہونا۔

(۴) امام کی نماز کا درست ہونا۔

(۵) کسی عورت کا برابر میں نہ ہونا۔

(۶) مقتدی کا امام کے پیچھے رہنا، آگے نہ بڑھنا۔

---

(۱) رواہ الستۃ الا النسائی۔

(۲) بخاری و ترمذی، نسائی، مالک (ارکان اربعہ صفحہ ۶۲)

(۳) کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ جلد اول صفحہ ۳۶۱۔

(۷) مقتدی کو امام کے ایک حال سے دوسرے حال میں منتقل ہونے کا علم ہونا۔

(۸) مقتدی کو امام کے سفر وحضر کی حالت کا علم ہونا۔

(۹) تمام ارکان میں امام کے ساتھ شریک رہنا۔

(۱۰) شروط وارکان نماز میں مقتدی کا امام کے مثل یا اس سے کم میں ہونا۔(۲)

امامت کی چھ شرطیں ہیں

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ دراصل یہ شرائط تو اقتداء کے ہیں، امامت کے شرائط صاحب ''نورالایضاح'' نے الگ سے لکھے ہیں کہ صحیح مردوں کے لیے امامت کی چھ شرطیں ہیں:

(۱) مسلمان ہونا (۲) بالغ ہونا (۳) عاقل ہونا

(۴) مرد ہونا (۵) قاری ہونا

(۶) نکسیر چھوٹنے، ہکلے پن، آواز کے ساتھ ہوا خارج ہونے اور فوفو کی آواز آنے، یا توتلے پن وغیرہ جیسی بیماریوں سے صحیح وسلامت ہونا اور کسی ایک بھی شرط کا فقدان نہ ہونا، جیسے طہارت اور ستر عورت۔

صحیح سالم مرد کہہ کر صحیح عورتوں سے، بچوں سے اور غیر صحیح مردوں سے احتراز کیا ہے؛ کیونکہ عورتوں کی امامت میں مذکر کی اور بچوں کی امامت میں بلوغ کی اور غیر صحیح مردوں کے لیے امامت میں صحت کی شرط نہیں ہے، البتہ امام کا حال مقتدی کے حال سے کچھ اچھا اور طاقتور یا اس کے مساوی ضرور ہونا چاہئے۔

دس کا تعلق مقتدی سے ہے اور چھ کا تعلق امام سے ہے

مذکورہ بالا تفصیل سے آپ سمجھ چکے ہوں گے کہ امامت ہی درحقیقت اقتداء کی غایت ومقصد ہے، اگر اقتداء صحیح نہ ہو تو امامت ثابت نہیں ہوگی، اس لیے مذکورہ دس شرطیں بھی امامت ہی کی ہیں، کیونکہ امامت ان پر موقوف ہے، ایسے ہی امامت کی مذکورہ چھ شرطیں اقتداء کے لیے

(۲) درمختار جلد اول صفحہ ۳۷۰۔

بھی ضروری ہیں، اس لیے کہ ان چھ کے بغیر اقتداء بھی صحیح نہ ہوگی، چنانچہ یہ پوری سولہ شرطیں امامت واقتداء دونوں کی ہیں؛ لیکن چونکہ دس کا تعلق مقتدی سے ہے اور چھ کا تعلق امام سے ہے، اس لیے جن چھ کا تعلق امام سے ہے ان کو الگ بیان کردیا اور جن دس کا تعلق اقتداء سے ہے ان کو الگ تحریر کردیا۔

امامت کی صحت کی چھ شرطیں

صحت امامت کی چھ شرطیں ہیں، ان میں سے مسلمان ہونا، بالغ ہونا، مذکر ہونا، عقل ہونا، قرأت پر قادر ہونا اور اعذار سے سلامتی ہے، ان شرائط کی تھوڑی سی تفصیل تحریر کی جاتی ہے۔

پہلی شرط امام کا مسلمان ہونا

غیر مسلم کی امامت بالاتفاق جائز نہیں، چنانچہ اگر کسی نے ایسے شخص کے پیچھے نماز ادا کی، جو اپنے آپ کو مسلمان بتلاتا ہے، اور بعد میں پتہ چلا کہ وہ کافر ہے، تو وہ نماز جو اس کے پیچھے پڑھی باطل ہے، اور اس شخص پر اس نماز کا لوٹانا واجب ہے، بعض لوگوں کا گمان ہے کہ یہ صورت نادر الوقوع ہے، مگر واقعہ اس کے خلاف ہے، بہت دفعہ ایسا ہوا ہے کہ غیر مسلم مسلمان کا لبادہ اوڑھ کر مسلمان کے بھیس میں مادی اغراض کے تحت ورع وتقوی ظاہر کرتا ہے، تاکہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوسکے، جب کہ اصلاً وہ کافر ہی ہوتا ہے۔

دوسری شرط بالغ ہونا

لہٰذا کسی بالغ کے لیے جائز نہیں ہے کہ ایسے نابالغ بچے کے پیچھے فرض نماز پڑھے جو عقل مند اور ہوشیار تو ہو مگر بالغ نہ ہو، ائمہ ثلاثہ کا اس پر اتفاق ہے، البتہ شوافع کا اس میں اختلاف ہے، احناف کا کہنا ہے کہ صحیح قول کے مطابق بالغ کا بچہ کی اقتداء کرنا مطلق صحیح نہیں ہے، چاہے نماز فرض ہو یا نفل، ہاں! باشعور نابالغ بچہ کے لیے بالاتفاق یہ جائز ہے کہ وہ اپنے ہی

جیسے نابالغ بچہ کی امامت کرے۔

تیسری شرط کامل طور پر مرد ہونا

عورت اور مخنث (ہجڑے) کی امامت مردوں کے لیے جائز نہیں، البتہ اگر مقتدی صرف عورتیں ہوں، تو ان کی امامت میں پھر یہ شرط نہیں، بلکہ صحیح ہے کہ عورتوں کی امامت انہیں جیسی عورت یا مخنث کرے، یہ بات ائمہ ثلاثہ کے نزدیک متفق علیہ ہے، مالکیہ کا اس میں اختلاف ہے۔

چوتھی شرط عاقل ہونا

عاقل ہونا: پاگل کی امامت درست نہیں، جب کہ پاگل پن مستقل طور سے ہو، اگر ایسا ہو کہ کبھی تو پاگل ہو جاتا ہو اور کبھی ٹھیک ہو جاتا ہو، تو حالتِ افاقہ میں اس کی امامت درست ہے، اور حالتِ جنون میں بالاتفاق ناجائز ہے۔

پانچویں شرط قاری ہونا

فقہاء نے امامت کے لیے امام کے قاری ہونے کی شرط لگائی ہے، جب کہ مقتدی بھی قاری ہو، اگر مقتدی قاری، غیر قاری امام کی اقتداء کرے تو امامت درست نہ ہوگی، اور یہ شرط اسی قدر ہے کہ جتنی مقدار پڑھنے سے نماز درست ہو جائے (ایک بڑی آیت یا تین چھوٹی آیتیں) اتنی مقدار قرأت اچھی طرح کر سکے، اگر کسی گاؤں یا دیہات کا امام ہو، اور بقدر جواز صلاۃ قرأت اچھی طرح کر لیتا ہو تو سیکھنے والے کی اس کے پیچھے نماز جائز ہے، اگر بالکل اُمّیؐ (ان پڑھ) ہے تو پھر اسی جیسے ان پڑھ لوگوں کے لیے اس کی امامت جائز ہے، خواہ وہاں کوئی ایسا قاری ہو جو ان دونوں کی امامت کر سکے یا نہ ہو، ائمہ ثلاثہ کا اس پر اتفاق ہے اور مالکیہ کا اس میں اختلاف ہے۔

چھٹی شرط کسی عذر کا نہ ہونا

مثلاً: پیشاب کے قطروں کا مسلسل ٹپکنا، مستقل دست وغیرہ کا ہونا، ریح خارج ہو جانا، نکسیر

کا پھوٹ جانا وغیرہ اعذار سے امامت کی صحت کے لئے امام کا محفوظ ہونا بھی شرط ہے، اگر کسی میں ان بیماریوں میں سے کوئی بیماری پائی جائے تو اس کی امامت کسی تندرست آدمی کے لیے جائز نہیں، البتہ اس جیسے مریض کے لئے درست ہے، اگر دونوں کی بیماری ایک ہو، لیکن اگر دونوں کی بیماری مختلف ہو مثلاً: امام کو پیشاب ٹپکنے اور مقتدی کو مستقل نکسیر پھوٹنے کی بیماری ہو، تو ان دونوں کے لیے ایک دوسرے کی امامت درست نہیں، اتنی مقدار احناف اور حنابلہ کے مابین متفق علیہ ہے، اور شوافع اور مالکیہ کا اس میں اختلاف ہے۔

ظاہری و باطنی نجاست سے امام کا پاک ہونا

امام کے لیے ایک متفق علیہ شرط یہ ہے کہ وہ ظاہراً و باطناً پاک ہو (یعنی نہ تو محدث ہو اور نہ اس کے بدن پر نجاست لگی ہوئی ہو) اگر کسی شخص نے ایسے آدمی کے پیچھے نماز پڑھی جو محدث ہو، یا اس کے بدن پر نجاست لگی ہوئی ہو، تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی، جس طرح خود امام کی نماز باطل ہوگی، البتہ شرط یہ ہے کہ امام کو اس نجاست کا علم ہو، اور پھر جان بوجھ کر نماز پڑھائے، اگر ایسا نہیں ہے تو پھر نماز باطل نہ ہوگی، اس کی مزید تفصیل آگے آرہی ہے۔

کن اعذار سے جماعت ساقط ہو جاتی ہے؟

مندرجہ ذیل اعذار میں سے کسی ایک عذر کے پیش آجانے سے جماعت ساقط ہو جاتی ہے:

(۱) سخت بارش کا ہونا۔

(۲) سخت جاڑے کا پڑنا۔

(۳) باعث اذیت کیچڑ کا ہونا۔

(۴) بیماری کا ہونا۔

(۵) کسی ظالم کا خوف ہونا۔

(٦) کسی کے قرض کی وجہ سے قید و بند کا ڈر اور اندیشہ ہونا، بشرطیکہ مقروض تنگدست ہو۔
(۷) اندھا ہونا، جب کہ اندھے کو کوئی رہنما نہ ملے، اور خود سے راستہ نہ چل سکے(۱) اس کے علاوہ دوسرے اعذار بھی ہیں۔

(۱) کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ، جلد اول صفحہ ۳۷۹۔
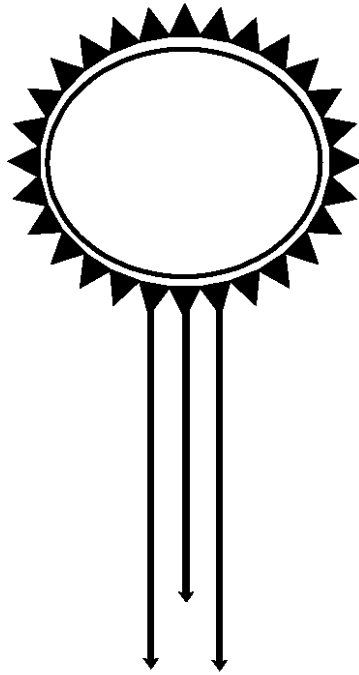
دوسرا باب

امامت کا حق کس کو ہے؟

اس کی ترتیب کیا ہے؟ اور اس پر اجرت لینے کا حکم کیا ہے؟

دوسرا باب

امامت کا حق کس کو ہے؟ اس کی ترتیب کیا ہے؟ اور اس پر اجرت کا حکم کیا ہے؟

امامت کا حق کس کو حاصل ہے؟

لوگوں میں امامت کا سب سے زیادہ حقدار وہ شخص ہے، جو اعلم بالسنۃ یعنی مسائل شریعت سے زیادہ واقفیت رکھتا ہو، امام ابو یوسفؒ سے اولیت اور ترجیح اقرأ (زیادہ پڑھا ہوا) کی روایت ہے، اس لئے کہ قراءت نماز میں ناگزیر اور اس کا ایک لازمی جزء ہے، اور علم کی ضرورت اس وقت پڑے گی جب کوئی مسئلہ اور واقعہ پیش آ جائے، لیکن ہماری دلیل یہ ہے کہ قراءت کی ضرورت محض ایک رکن میں پڑتی ہے، جب کہ علم نماز کے جملہ ارکان کی ادائیگی کے لیے ضروری ہے۔

جو شخص قراءت کے فن سے واقف ہو

اگر مسائل نماز سے واقفیت کے سلسلہ میں جملہ حاضرین یکساں ہوں، تو اس شخص کو ترجیح حاصل ہوگی، جو فن قراءت سے زیادہ واقف ہو، یعنی جہاں وقف کرنے کی جگہ ہے، وہاں وقف کرتا ہو، اور جہاں وصل کی جگہ ہو، وہاں وصل کے ساتھ پڑھتا ہو، اسی طرح یہ بھی معلوم ہو کہ کس جگہ کلمہ کو مخفف اور کس جگہ مشدد پڑھا جاتا ہے، اور اسی طرح دوسرے مسائل قراءت سے بھی واقف ہو، اس کی دلیل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ ”امامت کا

زیادہ مستحق وہ ہے جو قرآن مجید کو اچھی طرح پڑھتا ہو" چنانچہ اگر وہ سب کے سب قرآن مجید کو اچھی طرح پڑھنے میں بھی برابر ہوں تو ترجیح اس شخص کو حاصل ہوگی جو افقہ یعنی مسائل شریعت سے زیادہ واقف ہو، پھر اگر اس سلسلہ میں بھی جملہ حاضرین تقریباً یکساں حیثیت کے حامل ہوں، تو اس شخص کو فوقیت حاصل ہوگی جس نے ان میں سب سے پہلے ہجرت کی ہے، اور اگر اس میں بھی سب کے سب برابر ہوں تو اس شخص کو ترجیح حاصل ہوگی، جو زیادہ عمر رسیدہ ہو۔

اس کے بعد جو شخص خوبصورت اور عالم ہو

ایک روایت میں ہے کہ اگر سب کے سب اس میں بھی برابر ہوں تو اس شخص کو حق تقدم حاصل رہے گا جو خوبصورتی اور حسن و جمال کے اعتبار سے سب میں فائق ہو، ہدایہ کے مصنف رقمطراز ہیں کہ: "حدیث شریف میں "اُقرء" (جو قرآن زیادہ اچھا پڑھتا ہو) کو اعلم" (جو مسائل شریعت سے اچھی طرح واقف ہو) پر ترجیح دینے کی وجہ یہ ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین قرآن شریف کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جب پڑھتے اور سیکھتے تو اس کے جملہ مسائل اور جزئیات کے ساتھ پڑھتے اور سیکھتے تھے؛ لہٰذا ان کا اقرأ اعلم بھی ہوتا تھا؛ لیکن ہمارے زمانہ میں ایسی بات نہیں ہے، اس فرق کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہم نے اُعلم کو اُقرأ پر ترجیح دی ہے"۔

اگر یہ اشکال ہو کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں "اُقرء" ہی "اعلم" ہوا کرتا تھا، تو اعلم کو الگ سے بیان کرنے کا کیا مطلب ہے؟ یہ تو ایک ہی بات کو دو مرتبہ کہنا ہوا کیونکہ قرأت میں برابری علم میں برابری کا باعث ہے، پھر ایسی صورت میں حدیث کا کوئی مفہوم نہیں رہ جاتا اور ایسا کرنا ٹھیک نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ "اُقرأ سے مراد اُعلم بأحکام کتاب اللہ" (کتاب اللہ کے احکام و مسائل سے زیادہ واقف) لے لیا جائے، اور "أعلم بالسنة" سے مراد اُفقہ فی دین اللہ (دین میں بصیرت رکھنے والا) لے لیا جائے، چنانچہ اس صورت میں اعلم ثانی، اعلم اول کے علاوہ ہوگا اور مذکورہ اشکال رفع ہو جائے گا۔

قاری اور عالم میں تطبیق

یا دوسرے لفظوں میں اس کا جواب اس طرح دیا جاسکتا ہے کہ ''اُقرءُ'' کا ''اعلم'' بھی ہونا یہ کوئی قاعدہ کلیہ نہیں تھا، بلکہ عمومی صورتحال ایسی ہی تھی کہ جو اُقرء ہوا کرتا تھا وہ اُعلم بھی ہوتا تھا، چنانچہ حضرت اُبی بن کعب اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کی مثال ہمارے سامنے ہے کہ حضرت اُبی بن کعبؓ فن قراءت سے بخوبی واقف تھے،اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ان کی بہ نسبت قرآن کے مسائل واحکام سے زیادہ واقف تھے،اس طرح دونوں میں قرأت میں برابری کے باوجود احکام کی معرفت میں تفاوت تھا،تو صاحب شریعت نے اس ممکن کا حکم بیان کردیا، اگر چہ اس کا وقوع اتفاقی ہے، یا مذکور اشکال کا تیسرا جواب یہ بھی دیا جاسکتا ہے کہ اُقرء اور اعلم کی جو تفریق کی گئی ہے وہ ہمارے زمانہ کے لحاظ سے ہے، چنانچہ فن قراءت سے واقفیت میں تمام لوگوں کا یکساں درجہ کا ہونا،اس سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ وہ سب احکام ومسائل کی جانکاری میں بھی برابر ہوں۔

پھر تقوی کا لحاظ کیا جائے گا

اگر مذکورہ بالا اوصاف میں تمام حاضرین یکساں درجہ کے ہوں،تو ایسی صورت میں ترجیح تقوی کی بنیاد پر دی جائے گی، اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے ''جس نے کسی متقی اور دیندار عالم کے پیچھے نماز ادا کی تو گویا اس نے نبی کے پیچھے نماز ادا کی''۔

پھر عمر درازی کا لحاظ کیا جائے گا

اگر تقوی کے لحاظ سے بھی تمام لوگ یکساں درجہ کے ہوں تو ایسی صورت میں وجہ ترجیح عمر درازی ہوگی، اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوملیکہ کے دونوں لڑکوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا ''تم دونوں میں وہ امامت کرے جو عمر کے لحاظ سے بڑا ہو'' اس کی ایک عقلی وجہ یہ ہے کہ عمر رسیدہ شخص کو امام بنانے اور آگے بڑھانے میں لوگ زیادہ جماعت

میں شریک ہوں گے۔(۱)

امامت کے سلسلہ میں صاحب درمختار کا قول

درمختار کے مصنف رقمطراز ہیں: امامت کا زیادہ مستحق وہ شخص ہے جو فقط نماز کے احکام ومسائل سے زیادہ واقف ہو، اس کو اس بات کا علم ہو کہ مفسد نماز یعنی نماز کو فاسد کرنے والی کیا چیزیں ہیں، اور نماز کی صحت کے لیے کن چیزوں کی ضرورت ہے؟ بس اتنا علم ہونا، امام بننے کیلئے کافی ہے، بشرطیکہ وہ ظاہری فواحش سے بچتا ہو، نیز فرض، واجب، سنت (باختلاف روایات) کی بقدر ضرورت قرآن مجید بھی یاد ہو۔

دوسرے نمبر پر ترجیح اس شخص کو حاصل ہوگی جو قرآن کریم کی اچھی تلاوت کرتا ہو اور فن قرأت سے اچھی طرح واقف ہو۔

تیسرے نمبر پر وجہ ترجیح ورع ہے، ورع کا مطلب یہ ہے کہ ان چیزوں سے احتیاط رکھتا ہو جو مشکوک ومشتبہ ہوں، اور تقوی محرمات سے پرہیز کا نام ہے، علامہ شامی فرماتے ہیں ''شبہ وہ ہے جس کا حلال اور حرام ہونا مشتبہ ہو، اور ورع سے تقوی لازم آتا ہے، لیکن اس کے برعکس نہیں، اور زہد کہتے ہیں مشتبہ میں پڑنے کے اندیشہ سے کسی حلال کو ترک کردینا، یہ ورع سے زیادہ خاص ہے، حدیث شریف میں ورع کا نہیں بلکہ وطن سے ہجرت کرنے کا تذکرہ ہے، اور جب یہ ہجرت منسوخ ہوگئی تو ورع وتقوی کے ذریعہ گناہوں کا ترک کرنا مراد لیا گیا، اس لیے کہ اب دارالحرب میں اسلام لانے والے شخص کے لیے ہجرت کرنا ضروری نہیں ہے۔

جو شخص عمر رسیدہ ہو

پھر اس کے بعد سن رسیدہ یعنی پہلے اسلام لانے والے کو ترجیح دی جائے گی، چنانچہ پہلے ایمان لانے والے نوجوان کو بعد میں ایمان لانے والے عمر دراز شخص پر فوقیت دی جائے گی، علماء یہ بھی لکھتے ہیں کہ ورع میں فائق کو مقدم رکھا جائے گا، اور اسی پر تمام خصلتوں کو قیاس

(۱) فتح القدیر ج اول صفحہ ۳۰۵۔

کیا جائے گا، چنانچہ کہا جائے گا کہ ان میں سے اسے تقدم کا حق حاصل ہوگا جس نے اسلام کے متعلق زیادہ علم وغیرہ حاصل کیا ہو،اس صورت میں قرعہ اندازی کی نوبت کم آئے گی، صاحب ''البحر'' نے اس سے استنباط کیا ہے کہ حالت اسلام میں جس کی عمر دراز ہوگی وہ زیادہ طاعت والا ہوگا، میں کہتا ہوں کہ یہ نہیں بلکہ اس سے بظاہر اسن یعنی سن رسیدہ مراد ہے، جیسا کہ یہ مراد اور مفہوم بعض روایات حدیث میں ہے ''فأكبر هم سنا''اور یہی مفہوم اکثر کتابوں سے سمجھ میں آتا ہے، لہٰذا کلام اصلی مسلمان میں ہوگا، ہاں! بخاری کے علاوہ ائمہ حدیث نے ''فأقدمهم اسلاماً'' کی روایت کی ہے،اس بنا پر یہ دوسرا سبب ترجیح ہوگا،اس شخص میں جس پر اسلام پیش کیا گیا ہو، لہٰذا وہ نوجوان جو اسلام میں پروان چڑھا ہو،اس بوڑھے پر مقدم ہوگا جو ابھی اسلام لایا ہے؛ لیکن اگر دونوں نسلی مسلمان ہوں یا ایک ساتھ اسلام لائے ہوں،تو عمر رسیدہ کو امامت کے لیے آگے بڑھایا جائے گا، کیونکہ عام طور پر عمر رسیدہ شخص زیادہ خشوع وخضوع والا اور قابل احترام ہوتا ہے اور لوگ اس کو اپنا امام بنانا زیادہ پسند کرتے ہیں اور اس سے جماعت میں لوگوں کی شرکت زیادہ ہوگی، مؤلف نے اس پر اورع کو مقدم کرنے کی جو روش اختیار کی ہے، وہی متون اور بہت سی کتابوں میں مذکور ہے۔

جو اخلاق اور خوبصورتی میں اچھا ہو

پھر اس کے بعد جو لوگوں سے زیادہ اچھے اخلاق کے ساتھ پیش آتا ہو، اسے اولیت حاصل ہوگی، پھر اس کے بعد جو صورۃً زیادہ حسین ہو یعنی زیادہ تہجد گذار ہو۔

جو حسب ونسب اور آواز میں اچھا ہو

پھر حسب ونسب کا اعتبار ہوگا، پھر اچھی آواز کا اعتبار ہوگا۔

جس شخص کی بیوی خوبصورت ہو

پھر جس کی بیوی خوبصورت ہوگی، اسے فوقیت حاصل ہوگی، اس لیے کہ وہ اس سے زیادہ

محبت کرے گا اور غیر عورت سے تعلقات نہ ہونے کی وجہ سے زیادہ پاکدامن ہوگا، اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہر کوئی اپنی بیوی کی خصوصیات اور صفات دوسروں سے بیان کرے تاکہ معلوم ہو کہ کون زیادہ خوبصورت بیوی والا ہے، بلکہ اس کے دوستوں، رشتہ داروں اور پڑوسیوں سے معلوم کیا جائے گا۔

جو شخص مالدار اور عہدے والا ہو

پھر جو سب سے زیادہ مالدار ہو، کیونکہ کثرت مال سے اوپر مذکور دیگر اوصاف کے ساتھ اس کو قناعت وعفت حاصل ہوتی ہے، لوگ اسے زیادہ پسند کرتے ہیں، پھر اچھے عہدے کا اعتبار ہوگا، پھر صاف ستھرے کپڑوں میں ملبوس شخص کا اعتبار ہوگا۔

جس کا سر بڑا ہو

پھر جس کا سر بڑا ہو، دیگر اعضاء چھوٹے اور مناسب ہوں، کیونکہ یہ بڑی عقل کی دلیل ہے، ورنہ اگر سر بے تکا بڑا اور دیگر اعضاء چھوٹے ہوں تو یہ بے عقلی اور عدم اعتدال کی وجہ سے اس کے مزاج کی ترکیب و بناوٹ میں نقص وعیب کی دلیل ہوگی۔

پھر مقیم شخص کو حق ہے

پھر مقیم کو مسافر پر اولیت حاصل ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ دونوں برابر ہیں، اور ظاہر ہے اگر جماعت مسافروں کی ہے تو غور کیا جائے گا، اور یہ بات اس وقت ہے جب کہ وقت باقی ہو، ورنہ مسافر کے لیے چار رکعت والی فرض نمازوں میں مقیم کی اقتداء صحیح نہیں ہے، جیسا کہ آگے تفصیل سے بیان آرہا ہے۔

حدث کی وجہ سے تیمّم کرنیوالا

پھر اس کے بعد اصلی آزاد شخص کو غلام پر ترجیح دی جائے گی، پھر جس نے حدث (جن

امور کی وجہ سے وضوٹوٹ جائے) کی وجہ سے تیمّم کیا ہو، اس کو ایسے شخص پر اولیت حاصل ہوگی جس نے جنابت کی وجہ سے تیمّم کیا ہو، اور شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ حدث، جنابت سے ہلکا ہے؛ لیکن ''منیۃ المفتی'' میں اس کے برعکس مسئلہ ہے کہ جنابت کی وجہ سے تیمّم کرنے والا شخص حدث کی وجہ سے تیمّم کرنے والے سے زیادہ امامت کا حقدار ہے، اور شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ اس کی طہارت زیادہ قوی ہے کیونکہ وہ غسل کے درجے میں ہے، اسے کوئی نواقض وضو زائل نہیں کرسکتا۔

آخر میں قرعہ اندازی کی جائے

نزاع اور اختلاف کے وقت کسی کو امامت کے لیے آگے نہیں بڑھایا جائے گا، مگر جسے ترجیح حاصل ہو، اور ترجیح حاصل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ تعلیم، افتاء اور قاضی کے سامنے دعوی پیش کرنے میں سبقت کی ہو اور اگر اس میں بھی سب کے سب برابر ہوں تو قرعہ اندازی کی جائے گی اور ظاہر ہے کہ یہ سب اولیت وافضلیت کی بنا پر ہے۔(۱)

اسی طرح علم حاصل کرنے والوں میں جو پہلے آیا ہے اس کو اولیت حاصل ہوگی، اور اگر اختلاف ہو جائے اور وہاں کوئی دلیل ہو تو ٹھیک ہے، ورنہ قرعہ اندازی کی جائے گی جیسے کہ وہ ایک ساتھ آجائیں، اور اگر شیخ کو معلوم نہ ہو تو جسے چاہے آگے بڑھادے، کیونکہ شیخ کو اس کا اختیار ہے کہ ان کو سرے سے ہی نہ پڑھاتے؛ لیکن اکثر علماء پہلے آنے والے کی اولیت کے قائل ہیں، اور ابن کثیر سب سے پہلے اس کو مسنون کہنے والے شخص ہیں، ایک روایت میں ہے کہ ایک انصاری صحابی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ پوچھنے کے لیے آئے، اسی وقت ایک ثقفی صحابی بھی آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے میرے ثقفی بھائی سوال کرنے کے لیے، انصاری بھائی تم سے پہلے آیا ہے، لہٰذا تم بیٹھو! تاکہ تمہاری ضرورت پوری کرنے سے پہلے اس کی ضرورت پوری کردوں۔(۲)

---

(۱) فتاوی شامی جلد اول صفحہ ۳۷۵۔

(۲) رواہ طبرانی فی الکبیر جلد۱۲ر حدیث نمبر ۴۲۵/ وعبدالرزاق فی المصنف حدیث ۳۰۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہی سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے، اس میں معلوم اور غیر معلوم میں کوئی فرق نہیں، ہاں ! معلوم اور غیر معلوم والے میں فرق اس صورت میں ممکن ہے جب دونوں ایک ساتھ آئے ہوں، یعنی اگر اس کو معلوم ہو تو قرعہ اندازی کرے ورنہ جسے چاہے آگے بڑھا دے، اگر سب کے سب برابر ہوں تو قرعہ اندازی کی جائے گی، یا پھر قوم کو اختیار ہوگا، جسے چاہیں امام بنائیں، اگر اختلاف ہو جائے تو امام متعین کرنے میں اکثریت کا اعتبار ہوگا، یہ اختلاف صرف امام کے تعین تک ظاہر ہوگا، ورنہ ہر آدمی اپنے پسندیدہ اور اختیار کردہ امام کے پیچھے نماز پڑھے؛ لیکن اس میں تکرار جماعت ہے، اگر لوگوں نے غیر اولی کو امام بنایا تو برا کیا لیکن وہ گنہگار نہیں ہیں۔

اگر دو آدمی علم اور صلاح وتقوی میں برابر ہوں؛ لیکن ان میں ایک قرآن زیادہ اچھا پڑھنے والا ہے اور لوگوں نے اس کے علاوہ دوسرے کو آگے بڑھا دیا، تو انہوں نے غلط کیا اور سنت کو چھوڑا؛ لیکن گناہ گار نہیں ہونگے، کیونکہ انہوں نے ایک صالح شخص کو امامت کے لیے آگے بڑھایا اور یہی حکم امارت اور حکومت میں ہوگا؛ لیکن خلافت چونکہ امامت کبری ہے، اس لیے اس میں افضل کو ترک کرنا جائز نہیں ہوگا کیونکہ اس پر امت محمدیہ کا اجماع ہے۔

صاحب البیت کو آگے بڑھنا چاہئے

اور یہ معلوم ہونا چاہئے کہ صاحب خانہ اور اسی کی طرح مسجد کا باتنخواہ امام مطلقاً دوسروں سے امامت کا زیادہ حقدار ہے، اگرچہ حاضرین میں ان سے زیادہ احکام شریعت سے واقف اور اچھا قاری موجود ہو، اگر کسی کے گھر میں مہمانوں کی جماعت ہو تو مناسب یہی ہے کہ امامت کے لیے صاحب خانہ آگے بڑھے؛ لیکن اگر اس نے مہمانوں میں سے کسی مہمان کو اس کے علم اور درازی عمر کی وجہ سے امام بنایا تو یہ افضل ہے، اور اگر مہمانوں میں سے کوئی ایک خود آگے بڑھ گیا تو بھی جائز ہے، اس لیے کہ ظاہر ہے کہ صاحب خانہ مہمان کو اس کی عزت واکرام کی وجہ سے اجازت دے ہی دے گا۔

سلطان اور قاضی کو ولایت عامہ حاصل ہے

مگر ہاں! وہاں پر سلطان یا قاضی موجود ہوں تو انہی کو آگے بڑھایا جائے گا، کیونکہ ان کو ولایت عامہ حاصل ہے؛ لیکن ''حدادی'' نے یہ صراحت کی ہے کہ حاکم کو مسجد میں متعین امام پر اولیت حاصل ہے، یہ اس سلطان کے ساتھ خاص نہیں ہے جس کو عام ولایت حاصل ہے اور نہ اس قاضی کے ساتھ خاص ہے جس کو احکام شرعیہ کی خاص ولایت حاصل ہے بلکہ والی بھی ان دونوں ہی کی طرح ہے، اور با تنخواہ امام اس مسئلہ میں صاحب خانہ کی طرح ہے، اگر سب جمع ہوں، تو اولیت سلطان کو حاصل ہے پھر امیر کو، پھر قاضی کو، پھر صاحب خانہ کو، اگر چہ وہ کرایہ پر ہو اور اسی طرح امام مسجد پر قاضی کو اولیت حاصل ہے۔

کرایہ دار زیادہ مستحق ہے

اسی طرح جسے عاریت پر گھر دیا گیا ہو (مستعیر) یا جس نے کرایہ پر گھر لیا ہو (مستاجر) ان دونوں کو صاحب خانہ پر اولیت حاصل ہے، اس لیے کہ کسی کو عاریت پر کچھ دینا گویا کہ اسے منافع کا مالک بنانا ہے اور عاریت پر دینے والے شخص کو اگر چہ واپس لینے کا حق حاصل ہے، برخلاف موجر کے؛ لیکن جب تک وہ واپس نہیں لیتا، جسے اس نے عاریت پر دیا ہے تو اسے امامت کا حق حاصل ہوگا، اور کلام اسی میں ہے، اور مسئلہ اپنے موضوع سے نکل گیا، اس لیے کہ جب وہ واپس لے لے تو عاریت باقی نہیں رہی۔(۱)

خلاصۂ بحث

سب سے زیادہ امامت کا حقدار وہ ہے جو احکام نماز سے زیادہ واقف ہو، یعنی اسے معلوم ہو کہ کب نماز صحیح ہوگی؟ کب نماز میں بگاڑ آئے گا؟ ساتھ ہی وہ ظاہری گناہوں سے پرہیز بھی کرتا ہو، پھر جو تجوید وقرأت کے ساتھ سب سے اچھا قرآن پڑھتا ہو، پھر جو زیادہ پرہیز گار ہو،

---

(۱) ردالمحتار جلد اول صفحہ ۳۷٦۔

پھر جو پہلے ایمان لایا ہو، پھر جو زیادہ عمر دراز ہو (جب کہ دونوں اصلی یعنی نسلی مسلمان ہوں) پھر جو زیادہ اخلاق مند ہو، پھر جو زیادہ خوبصورت ہو، پھر جو زیادہ شریف النسب ہو، پھر جو صاف ستھرے کپڑے زیب تن کیئے ہو، اگر سب کے سب اس میں برابر ہوں تو ان کے درمیان قرعہ اندازی کی جائے گی، اگر لوگوں میں اختلاف ہو جائے، ورنہ جسے چاہیں امام بنائیں، پھر اگر ایسا اختلاف ہو جائے کہ لوگ قرعہ اندازی پر بھی راضی نہ ہوں تو پھر امام کے اختیار کرنے میں اکثریت کا اعتبار ہوگا؛ لیکن اگر اکثریت نے غیر اولی کو اختیار کر کے آگے بڑھا دیا، تو انہوں نے برا تو کیا؛ لیکن وہ گناہ گار نہیں ہوں گے، یہ مسئلہ اس وقت ہے جب کہ لوگوں کے درمیان سلطان نہ ہو اور نہ ہی صاحب خانہ ہو، جس کے گھر میں لوگ جمع ہیں اور نہ ہی کوئی مقرر امام ہو، ورنہ سلطان کو فوقیت حاصل ہے پھر صاحب خانہ کو مطلقاً، اور اسی طرح مسجد میں متعین امام ہے، اور جب گھر میں مکان مالک اور کرایہ دار دونوں موجود ہوں تو کرایہ دار امامت کا زیادہ حق دار ہوگا۔(۱)

امامت پر اجرت لینے کا حکم

جمہور فقہاء کرام (شافعیہ، حنابلہ اور متقدمین احناف) کی رائے یہ ہے کہ نماز کی امامت پر اجرت لینا جائز نہیں، اس لیے کہ یہ ان اعمال میں سے ہے جن کے کرنے والے کا مقصد عبادت اور قربتِ الٰہی ہوتا ہے، اس لیے اس پر اجرت لینا جائز نہیں ہے، اس کی مثال اذان اور قرآن کی تعلیم ہے، اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "اِقْرَؤُا الْقُرْآنَ وَلَاتَأْكُلُوا بِهٖ" (۲) (قرآن پڑھو لیکن اس کو کھانے کا ذریعہ مت بناؤ) اور اس لیے بھی کہ امام اپنی نماز تو پڑھتا ہی ہے، تو جو چاہتا ہے اس کی اقتداء کر لیتا ہے، اگر چہ وہ امامت کی نیت نہ کرے، اگر اس کی نیت پر کوئی چیز موقوف ہے تو وہ جماعت کی فضیلت حاصل کرنا ہے، اور یہ ایسا فائدہ ہے جو اسی کے ساتھ خاص ہے، اور اس لیے بھی کہ جب بندہ کوئی عبادت واطاعت

(۱) کتاب الفقہ جلد ۱/صفحہ ۳۷۹۔

(۲) مسند احمد جلد ۳/حدیث نمبر ۴۲۸۔

اور نیک عمل کرتا ہے، تو اپنے لیے کرتا ہے، اللہ تعالی نے فرمایا "مَنْ عَمِلَ صَالِحاً فَلِنَفْسِهٖ" (۱) (جو شخص نیک عمل کرتا ہے تو وہ اپنے لیے کرتا ہے) لہٰذا جو اپنے لیے عمل کرے، وہ دوسروں سے اس پر اجر کا مستحق نہیں ہوسکتا۔ (۲)

مالکیہ اور متاخرین احناف کے نزدیک اجرت لینے کا حکم

اور مالکیہ کہتے ہیں کہ صرف اذان پر یا نماز کے ساتھ اذان پر نمازیوں سے اجرت لینا جائز ہے، خواہ نماز نفل ہو یا فرض؛ لیکن صرف نماز پر اجرت لینا مکروہ ہے۔ (۳)

اور متاخرین احناف کے نزدیک مفتی بہ قول یہ ہے کہ تعلیم قرآن، فقہ، امامت اور اذان پر اجرت لینا جائز ہے، اور جس نے اجرت پر عالم، امام، مؤذن کو متعین کیا ہے، اس سے جبراً متعین اجرت یا اگر مدت طے نہ ہو تو اجرت مثل لینا جائز ہے اور جواز کی دلیل ضرورت ہے، اور یہ ضرورت آج کل دینی امور میں غفلت و لاپرواہی ظاہر ہونے کی وجہ سے ہے، کیونکہ اس طرح قرآن کے ضائع ہونے کا ڈر اور اندیشہ ہے۔ (۴)

بیت المال احسان ونوازش کے قبیل سے ہے

اور یہ تمام تفصیلات اجرت کے سلسلے میں ہیں، ورنہ بیت المال سے ان امور پر تنخواہ لینا اس کے نفع کے متعدی اور عام ہونے کی وجہ سے بلا کسی اختلاف کے جائز ہے، اس لیے کہ بیت المال احسان ونوازش کے قبیل سے ہے، برعکس اجرت کے کہ اس کا تعلق معاوضہ سے ہے، اور اس لئے کہ بیت المال مسلمانوں کے مصالح کے پیش نظر قائم کیا جاتا ہے، تو اس کا اس شخص پر خرچ کرنا جس کا نفع مسلمانوں کو پہنچتا ہے اور وہ اس کا ضرورت مند بھی ہے، انہیں مصالح میں

---

(۱) سورۂ نحل آیت نمبر ۹۷۔

(۲) الموسوعۃ الفقہیہ صفحہ ۲۱۵ / جلد ۶۔

(۳) جواہر الاکلیل جلد نمبر ۱ / صفحہ ۳۷۔

(۴) ابن عابدین ۳۴/۵۔

سے ہے، اور اس لینے والے کے لئے اس کا لینا درست ہے، اس لئے کہ وہ اس کا اہل ہے، اور وہ اس شخص پر وقف کی طرح ہے، جو ان مصالح کے انجام دینے پر مامور ہو۔(۱)

اور درمختار میں ہے کہ اجرت پر امامت کرنے والے کے پیچھے نماز مکروہ ہے، بایں طور کہ ایک سال یا ایک مہینہ کی اجرت پر امامت کرے، اس لیے یہ صدقہ اور اس کی مدد ہے، جو صدقہ اور اجرت کے مشابہ ہے، اس قبیل سے نہیں ہے جو واقف اپنے لئے شرط لگا لیتا ہے۔

متاخرین احناف کا مفتی بہ مذہب ضرورت کی وجہ سے اذان، امامت اور تعلیم قرآن پر اجرت کے جواز کا ہے؛ برخلاف صرف تلاوت قرآن اور بقیہ طاعات پر اجرت لینے کے کہ جن کی ضرورت نہیں ہے، اس لئے وہ سرے سے جائز نہیں ہوگا۔(۲)

---

(۱) الموسوعۃ الفقہیہ جلد ۶ / صفحہ ۲۱۵ / وزارۃ الاوقاف کویت

(۲) ردالمحتار / جلد ۱ / صفحہ ۳۷۸۔

تیسرا باب
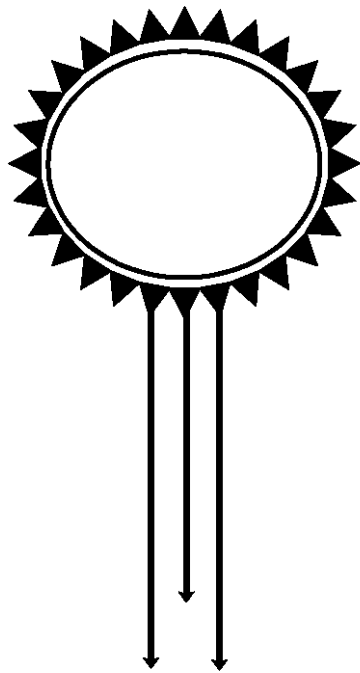
امام کیسا ہو؟

اور اس کے پسندیدہ اوصاف کیا ہیں؟

تیسرا باب

امام کیسا ہو اور اسکے پسندیدہ اوصاف کیا ہیں؟

امام کیلئے پسندیدہ اوصاف کیا ہیں؟

کسی بھی شخص کے لیے مناسب نہیں ہے کہ وہ امامت کرے جب کہ وہاں امامت کے لیے موزوں شخص موجود ہو، اسی طرح اگر اس سے افضل کوئی موجود ہو تب بھی آگے نہ بڑھے، اگر لوگ ایسا کریں گے، تو برابر غیر مستحسن اور گھٹیا کام میں ملوث ہوں گے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ''اگر میں آگے بڑھایا جاؤں تو میری گردن کاٹ دی جائے اور یہ مجھے کسی گناہ سے قریب نہ کرے، یہ اس سے بہتر ہے کہ میں ایسی قوم کی امامت کروں جس میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ موجود ہوں'' اور قرآن تجوید کے ساتھ پڑھنے والا ہو، دین کے اندر اچھا خاصا درک رکھنے والا ہو، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں سے واقفیت رکھتا ہو؛ کیونکہ حدیث میں آیا ہے ''اپنے دینی امور اپنے فقہاء، ائمہ اور قراء کے حوالہ کردو''۔

امام اللہ تعالی کے درمیان تمہارے نمائندے ہیں

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے ''لِيُؤَذِّنَ لَكُمْ خِيَارُكُمْ وَلْيَؤُمَّكُمْ قُرَّاؤُكُمْ''(۱) (تم میں بہتر شخص اذان دے اور تمہارے قراء امامت کریں) اس لیے کہ امام خدا کے دربار میں تمہارے نمائندے ہوتے ہیں، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اماموں کو اس سے خاص کیا ہے، اس لیے کہ وہ دیندار اور فضل والے ہوتے ہیں اور ان کو معرفت الٰہی حاصل ہوتی ہے اور اللہ سے ڈرتے بھی ہیں، چونکہ یہ لوگ اپنی نمازوں کا اہتمام کرتے ہیں اور مقتدی کی نماز

(۱) ترمذی: حدیث نمبر ۴۹۹۔

بھی انہیں پر منحصر ہوتی ہے، اور ان چیزوں میں بھی احتیاط کرتے ہیں جن میں خود ان کے گناہ اور ان کے مقتدیوں کے گناہ کا بوجھ ہے، اگر وہ نماز میں کوتاہی اور خرابی کریں، اور ''قراء'' سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف حافظ قرآن ہی نہیں لیا ہے، بلکہ اس پر عمل کرنے والا بھی مراد ہے، اس لئے یہاں حفظ قرآن کے ساتھ عامل بالقرآن مراد ہے، لہٰذا حدیث میں آیا ہے کہ ''إِنَّ أَحَقَّ النَّاسِ بِهٰذَا الْقُرْآنِ مَنْ كَانَ يَعْمَلُ بِهِ وَإِنْ كَانَ لَا يَقْرَأُهُ'' (اس قرآن مجید کے زیادہ مستحق وہ لوگ ہیں جو اس پر عمل کرتے ہیں اگر چہ وہ اس کو نہیں پڑھتے ہیں) اس لیے کہ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ قرآن مجید کو ایسا آدمی یاد کر لیتا ہے، جو اس پر عمل نہیں کرتا ہے، اور نہ ہی حدود قرآن کی پاسداری کرتا ہے، اور نہ منہی عنہ امور سے رکتا ہے، تو ایسے شخص کو میں مراد نہیں لے رہا ہوں، اور نہ ہی اس کی کوئی عزت ہے۔

جو معرفت الٰہی سے آشنا ہو اسی کو امام بنائیں

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو قرآن کے محارم کو حلال سمجھ لے وہ قرآن مجید پر ایمان رکھنے والا نہیں'' (۱) چنانچہ لوگوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایسے آدمی کو اپنی نمازوں کا امام بنائیں جو معرفت الٰہی سے آشنا ہو، اور سب سے زیادہ خدا سے ڈرنے والا ہو، اگر لوگوں نے اس کی خلاف ورزی کی اور دوسرے کو امام بنا دیا تو وہ برابر ذلت و پستی میں گرتے اور اپنے دین میں نقص پیدا کرتے چلے جائیں گے، اور اللہ تعالی کی رحمت اور جنت سے دور ہوتے جائیں گے، اللہ کی رحمتیں ہوں ان لوگوں پر جنہوں نے اپنے دین کی پاسداری کی، اور اپنی نمازوں کی حفاظت کی، اپنے میں سب سے بہتر آدمی کو امام بنایا اور اس معاملے میں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی اور اس کے ذریعہ رضائے الٰہی کو حاصل کیا۔

امام لایعنی باتوں سے پرہیز کرنے والا ہو

امام کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ لوگوں کی عیب جوئی اور ان کی غیبتوں سے اپنی زبان

(۱) ترمذی حدیث نمبر ۲۸۴۲۔

کی حفاظت کرے، مگر یہ کہ کوئی فائدہ کی بات ہو، اور یہ کہ امام اچھائی کا حکم دے اور خود بھی اس کو کرے اور برائی سے روکے اور خود بھی رکے، بھلائی اور بھلائی کرنے والوں کو پسند کرے، اور برائی اور برائی کرنے والوں کو ناپسند کرے، نماز کے اوقات سے واقف ہو اور اس کی پابندی بھی کرتا ہو، اپنے پیٹ اور شرمگاہ کی حفاظت کرنے والا ہو، حرام چیزوں سے اپنے کو بچانے اور ہاتھ سمیٹ لینے والا ہو، اپنے کام سے مطلب رکھنے والا ہو، اور چیزوں کے مقابلہ میں اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے بہت کوشش کرنے والا ہو، باوقار، متحمل اور مصائب پر بے انتہا صبر کرنے والا ہو، برائی سے چشم پوشی کرنے والا ہو، جو شخص اس کے بارے میں گفتگو کرے اسے انگیز کرلیتا ہو، اگر کوئی جہالت سے پیش آئے تو اس پر صبر کرنے والا ہو، جو اس کے ساتھ برائی کرے اس کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کرے۔

امام ہر برائی سے چشم پوشی کرنیوالا ہو

محرمات سے کلی طور پر صرف نظر کرنے والا ہو، اگر کوئی ایسی چیز دیکھے جو چھپانے کے قابل ہو تو اس پر پردہ پوشی کرے، اور اگر ایسی چیز کو دیکھے جو کسی کے لیے رسوا کن ہو تو اسے وہیں دبادے اور دفن کردے، جاہلوں سے کنارہ کشی اختیار کرے اور سلامتی کی دعا کرتا رہے، وہ لوگوں کو اپنی پریشانی کے باوجود راحت پہنچائے اور اپنے آپ کو لوگوں کی غلامی سے آزاد کرانے کا بہت حریص ہو، اور اپنی جان کے چھٹکارے میں بیحد کوشاں ہو اور اسے اس کا احساس ہو کہ وہ ایک بڑی آزمائش میں مبتلا ہے جو بڑی خطرناک اور عظیم الشان ہے اور وہ بار امامت کو اٹھانے کی فکر رکھنے والا ہو اور امامت کی قدر و منزلت، اس کی نزاکت، اہمیت اور خیر کو سمجھتا ہو، کم گو ہو، مگر ان چیزوں میں گفتگو کرتا ہو جو اس کے مطلب کی ہوں، لوگوں کے رہن سہن اور اس کے رہن سہن میں حد درجہ فرق ہو۔

امام سے مقتدیوں کے متعلق سوال ہوگا

جب وہ نماز پڑھانے کے لیے محراب میں کھڑا ہو، تو اس دھیان کے ساتھ کھڑا ہو کہ وہ

انبیاء اور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء راشدین کی جگہ پر کھڑا ہے، اور رب العالمین سے مناجات و رازداری کر رہا ہے، اور اپنے پیچھے مقتدیوں کی نماز کی تکمیل کے متعلق تحری اور اجتہاد سے کام لے، مقتدی اس کے حوالہ ہیں، لہٰذا مقتدیوں میں سب سے کمزور کی رعایت کرتے ہوئے ہلکی پھلکی نماز پڑھائے، اپنے آپ کو ان سے بھی کمزور اور ان کی امامت کو باعث آزمائش سمجھے اور یہ خیال رکھے کہ اللہ تعالی خود اس کی اور اس کے مقتدیوں کی نماز کی ادائیگی کے متعلق سوال کرے گا۔

امام میں اور کیا کیا صفات ہوں؟

آگے بڑھنے کی وجہ سے اپنے گناہوں پر رونے والا ہو، پچھلی خطاؤں اور بے کار کاموں اور کوتاہیوں پر نادم اور پشیمان ہو، مقتدیوں سے اپنے آپ کو بڑا نہ سمجھے اور نہ کمتر سے اپنے کو اچھا تصور کرے، جب اس کے متعلق ایسی بات کہی جائے جو اس کے اندر ہو یا جس سے وہ بری ہو، تو اپنے نفس کے لیے وہ غیرت میں مبتلا نہ ہو، لوگوں کی تعریف کا خواہاں نہ ہو، اور ان کی مذمت کی پرواہ نہ کرتا ہو، تو جماعت دونوں حالتوں میں اس کے نزدیک برابر ہے، اس پر جھوٹ کا تجربہ نہ ہوا ہو، حلال روزی کھاتا ہو، صاف ستھرے کپڑے پہنتا ہو، اور لباس میں تواضع ہو، اور نشست میں انکساری و خاکساری ہو، اسلام میں اس پر حد نہ لگی ہو، اور لوگوں میں بدنام نہ ہو، اور بادشاہ کے نزدیک اپنے بھائی پر طعن و طنز کرنے والا نہ ہو، لوگوں کے رازوں کو افشاء کرنے والا نہ ہو، اور نہ لوگوں کی برائی کے لیے کوشاں ہو، اور نہ اپنے حقوق کے حصول میں زیادہ سخت ہو، اس کے پاس جو عاریت، تجارت یا امانت کی چیزیں ہوں ان میں خیانت کرنے والا نہ ہو، اور اس حال میں وہ امامت کے لیے نہ بڑھے جب کہ حرام مال اس کی شکم میں ہو، اور اس وقت بھی نہ بڑھے جب کہ وہ امامت کا خواہش مند ہو، اور اس وقت بھی نہ بڑھے جب وہ جان رہا ہو کہ اس میں حسد، بغض و عداوت، خیانت، غصہ، کینہ کپٹ، تکبر و گھمنڈ، فخر و غرور ہے، اور نہ ایسا آدمی امامت کے لیے آگے بڑھے جو خون بہا کا طالب ہو، اپنے نفس کے لیے انتقام لینے والا

ہو، اور غصہ کو تشفی دینے والا ، اور کسی مسلمان شخص کی آبرو کے پیچھے پڑنے والا یا، امت محمدیہ کے کسی فرد کو دھوکہ دینے والا ہو۔(۱)

کسی فتنہ کی بات نہ کرے اور نہ اس میں دوڑ دھوپ کرے، اور نہ فتنہ کے شعلہ کو ہوا دے بلکہ اہل حق کی اہل باطل کے خلاف اپنی زبان، اپنے ہاتھ اور اپنے دل سے مدد کرے، حق بات کہے اگر چہ تلخ ہی کیوں نہ ہو، اللہ کے سلسلہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خوف نہ کرے اور نہ لوگوں سے اپنی تعریف پسند کرے اور نہ ان کی مذمت کی فکر کرے، اور دعا میں کوئی چیز اپنے لیے خاص نہ کرے بلکہ اپنی دعا کو اپنے لئے اور ان کے لئے عام کرے، جس وقت نماز کے بعد دعا کرنی ہے، اگر اپنے لئے مخصوص دعا کی تو یہ لوگوں کے حق میں خیانت ہوگی اور ایک کو دوسرے پر ترجیح نہ دے، ہاں اگر کوئی صاحب علم ہو تو اس کی بات الگ ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''میرے سے وہ لوگ قریب ہوں جو صاحب بصیرت ہوں اور عقل والے ہوں'' (۲) اور اسی طرح امام کے پیچھے کھڑے ہونے والے ہوں، ایسا نہ ہو کہ کسی مالدار کو قریب کرے اور نادار کو دور کر دے۔

امام کو اگر مقتدی ناپسند کریں تو امامت سے رک جائے

امام کے لیے مناسب نہیں ہے کہ ایسے لوگوں کی امامت کرے جن میں کچھ لوگ اس کی امامت کو ناپسند کرتے ہوں، اگر اس کی امامت کو پسند اور ناپسند کرنے والے دونوں ہوں تو یہ دیکھا جائے گا کہ اگر ناپسند کرنے والوں کی تعداد زیادہ ہے، تو مامت سے رک جائے اور محراب سے کنارہ کش ہو جائے، یہ اس صورت میں ہے جب کہ اس کی ناپسندیدگی علم و جانکاری اور حق کی بنا پر ہو، اور یہ ناپسندیدگی جہالت اور باطل، خباثت نفس یا کسی مذہبی عصبیت اور خواہش کی بنیاد پر ہو تو ان کی ناپسندیدگی کا اعتبار نہیں ہوگا، بلکہ وہ امامت کرے گا، مگر ہاں! اس کی وجہ سے لوگوں میں فتنہ کا ڈر ہو، تو امامت سے الگ ہو جائے، یہاں تک کہ

(۱) غنیۃ الطالبین، شیخ عبد القادر جیلانی صفحہ ۸۶۱۔

(۲) مسند احمد حدیث نمبر ۴۱۴۲۔

لوگوں کے درمیان مصالحت ہو جائے اور وہ راضی ہو جائیں۔

امام کو چاہئے کہ صرف نیک لوگوں سے تعلق رکھے

امام کے لیے مناسب ہے کہ آپس میں جھگڑنے، بہت زیادہ قسم کھانے اور کثرت سے لعن طعن کرنے والا نہ ہو، برائیوں اور تہمتوں سے پاک ہو، اور ایسی جگہوں پر نہ جائے، صرف نیک لوگوں ہی سے اختلاط اور میل جول رکھے، اور اس کے لیے یہ مناسب نہیں ہے کہ فتنہ اور فتنہ پرور اور گناہ اور گنہگاروں اور ریاست وحکومت اور حکمرانوں سے محبت و تعلق رکھے، بلکہ امام کے لیے مناسب اور اچھا یہ ہے کہ وہ لوگوں کی اذیتوں کو برداشت کرنے والا، ان سے محبت کرنے والا، ان کی نفع رسانی کا خواستگار اور ان کی خیر خواہی کے لیے کوشاں ہو۔

امام امامت کے لیے لڑائی جھگڑا نہ کرے

امام کے لیے مناسب ہے کہ وہ امامت کے لیے بحث ومباحثہ اور لڑائی جھگڑا نہ کرے، سلف صالحین سے منقول ہے کہ وہ امامت سے گریز کرتے تھے اور دوسروں کو امامت کے لیے آگے بڑھایا کرتے تھے جو بزرگی وشرافت اور دینداری میں ان جیسے نہ ہوتے تھے اور ایسا اپنے کو کوتاہیوں میں پڑنے کے اندیشہ سے کرتے تھے۔(۱)

امام کے لیے مستحب چیزوں کا بیان

مندرجہ ذیل سطروں میں یہ بیان کیا جائے گا کہ امام کو فرض نمازوں سے فارغ ہونے کے بعد کیا کرنا چاہئے؟ لہٰذا نماز دو حال سے خالی نہیں یا تو فرض نماز کے بعد سنن ونوافل ہوں گے یا نہیں، اگر نہیں ہیں جیسے فجر وعصر کی نمازیں، تو امام کو اختیار ہے چاہے تو کھڑا ہو جائے اور چاہے تو اپنی جگہ بیٹھ کر دعا میں مشغول ہو جائے، اس لیے کہ ان دونوں نمازوں کے بعد سنن ونوافل نہیں ہیں، لہٰذا بیٹھنے میں کوئی حرج نہیں، مگر ہاں! علی حالہ قبلہ کی طرف رخ کر کے بیٹھنا

(۱) غنیۃ الطالبین صفحہ ۸۶۳۔

مکروہ ہے، کیوں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب فرض نمازوں سے فارغ ہوتے تھے، تو اس دعا کے بقدر ہی اپنی جگہ پر ٹھہرتے تھے: "اَللّٰھُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَاذَاالْجَلَالِ وَالإِكْرَامِ "۔(۱)

امام کا نماز کے بعد قبلہ کی طرف رخ کر کے بیٹھنا بدعت ہے

یک روایت میں ہے کہ امام کا نماز کے بعد مصلّٰی پر قبلہ رو ہو کر بیٹھنا بدعت ہے، اس لیے کہ اس ہیئت میں مصلّٰی پر ٹھہرنا بعد میں آنے والے مقتدیوں کو وہم میں ڈالتا ہے کہ ابھی وہ نماز میں ہے، چنانچہ وہ اس کی اقتداء کرے گا، حالانکہ اس کی اقتداء کرنا فاسد ہے، چنانچہ اس کا ٹھہرنا دوسروں کی اقتداء کے فساد کا باعث ہے، لہٰذا نہ ٹھہرے، لیکن اگر اس کے سامنے کوئی نماز نہ پڑھ رہا ہو تو اس کے اختیار میں ہے کہ لوگوں کی طرف چہرہ کرے، اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز فجر سے فارغ ہوتے، تو صحابۂ کرام کی طرف چہرہ مبارک کر لیتے اور فرماتے، کیا تم میں سے کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس خواب کی تلاش میں تھے جس میں فتح مکہ کی بشارت ہو۔(۲)

نماز کے بعد قبلہ کیطرف رخ کرنے سے اشتباہ ہوتا ہے

اگر امام کے بالمقابل کوئی نماز پڑھ رہا ہو تو لوگوں کی طرف رخ نہ کرے، اس لیے کہ نماز میں چہرے کو چہرہ کے سامنے کرنا مکروہ ہے؛ کیونکہ یہ منقول ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ دوسرے شخص کے چہرے کے سامنے نماز پڑھ رہا ہے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دونوں کو درہ مارا، اور نمازی سے کہا کیا تم صورت کو قبلہ بناتے ہو، اور دوسرے سے کہا کیا تم اپنے چہرے سے نماز کا قبلہ بنتے ہو؟ اگر امام چاہے تو چہرے کو موڑ

(۱) مسلم شریف ۹۳۲ / ترمذی ۲۷۶ / ۲۷۵ / ابن ماجہ ۹۱۴۔

(۲) بخاری حدیث نمبر ۱۲۹۷ / ترمذی: ۲۲۱۸۔

لے، اس لیے کہ رخ موڑنے سے اشتباہ نہیں رہتا، جس طرح استقبال قبلہ سے شبہ زائل ہو جاتا ہے۔

پھر مشائخ عظام کا رخ بدلنے کی کیفیت میں اختلاف ہے، ان میں سے بعض نے کہا کہ عین قبلہ کی طرف چہرہ بغرض تبرک کرے اور بعض نے کہا کہ امام کو اختیار ہے چاہے دائیں جانب چہرہ کرے یا بائیں جانب، اور یہی قول صحیح ہے، اس لیے کہ اصل مقصود اس رخ بدلنے سے شبہ کا ازالہ ہے، اور یہ فائدہ دونوں چیزوں سے حاصل ہو جاتا ہے۔

امام کو چاہئے کہ سنت یا نفل مصلّٰی سے ہٹ کر پڑھے

اور اگر نماز کے بعد کوئی سنت ہو تو امام کے لیے بیٹھ کر ٹھہرنا مکروہ ہے، اور یہ کراہت صحابہ کرام رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب دونوں نماز سے فارغ ہوتے تو کھڑے ہو جاتے گویا کہ گرم پتھر پر ہوں، اور یہ اس لیے بھی ہے کہ ٹھہرنا آنے والے کے لئے وہم کا باعث ہے، لہٰذا نہ ٹھہرے؛ لیکن کھڑا ہو جائے، اور اس جگہ سے ہٹ جائے پھر نفل پڑھے، کیوں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم میں کوئی اس بات سے عاجز ہے کہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد کچھ آگے بڑھ جائے یا کچھ پیچھے ہٹ جائے (۱) اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انھوں نے امام کے لیے اس جگہ نفل پڑھنے کو ناپسند کیا ہے، جہاں اس نے امامت کی ہے، اس لیے کہ داخل ہونے والے کے لیے یہ اشتباہ امر کا باعث ہے، اس لیے مناسب یہی ہے کہ اشتباہ امر کے ازالہ یا اپنے گواہوں کو بڑھانے کے لیے ہٹ جائے، جیسا کہ مروی ہے کہ قیامت کے دن نماز پڑھنے کی جگہ نمازی کے حق میں گواہ ہوگی۔ (۲)

---

(۱) مسند احمد ۹۱۳۲ / ابن ماجہ ۱۴۱۷۔

(۲) بدائع الصنائع جلد ۱ صفحہ ۳۹۴۔

امام ذمہ دار ہے

امام کی کیا ذمہ داری ہے؟ وہ کیا کرے؟ طبرانی میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو لوگوں کی امامت کرے، اسے اللہ سے ڈرنا چاہئے، اور معلوم ہونا چاہئے کہ وہ ضامن ہے، اور جس کا وہ ضامن ہے اس کے بارے میں اس سے سوال کیا جائے گا، اگر اچھی امامت کی تو اس کو اپنے پیچھے نماز پڑھنے والوں کے مثل ثواب ملے گا، ان نمازیوں کے اجر وثواب میں بھی کوئی کمی نہیں کی جائے گی، اور جو کمی، کوتاہی ہوئی ہے وہ امام کے سر ہے(۱) لہٰذا امام کے لیے ضروری ہے کہ اپنی ذمہ داری کو اچھی طرح نبھائے اور لوگوں کی امامت میں اللہ سے ڈرتا رہے، اس لیے کہ وہ ایک مہتم بالشان امر اور بہت بڑی ذمہ داری ہے۔

مقتدیوں کی رعایت

امام نماز میں اپنے مقتدیوں اور ماتحتوں کی کیسے رعایت کرے؟ اور کن امور میں ان کا خیال کرے؟ بخاری ومسلم کی صحیح حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''جب تم میں سے کوئی شخص لوگوں کو نماز پڑھائے تو ہلکی نماز پڑھائے، اس لیے کہ جماعت میں بیمار، کمزور اور بوڑھے شریک ہوتے ہیں، اور جب تم میں سے کوئی اپنی نماز پڑھے تو جتنا چاہے طویل نماز پڑھے''۔(۲)

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ پابندی کے ساتھ ہر نماز میں چھوٹی چھوٹی سورتیں پڑھی جائیں، اور رکوع وسجود میں تین تین مرتبہ بھی تسبیح پوری نہ کرے، بلکہ اسے بیمار، کمزور اور بوڑھے وغیرہ جو اس کے پیچھے نماز پڑھ رہے ہیں، ان کی رعایت کرنی چاہئے، اور وقت کے تقاضے کے مطابق ہی ان کو نماز پڑھائی جائے، اور اس کا لحاظ کرنا چاہئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو

(۱) کنز العمال، مسائل امامت صفحہ ۲۵۔

(۲) بخاری حدیث نمبر ۶۶۲۔ مسلم شریف حدیث نمبر ۷۱۷۔ نسائی ۸۱۴۔

کیسے نماز پڑھایا کرتے تھے؟ اس لئے کہ اس سلسلے میں اور تمام دینی امور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم امت کے لئے مکمل اسوہ ہیں، حضرت ابوواقد رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو مختصر نماز پڑھایا کرتے تھے اور خود طویل نمازیں پڑھتے تھے۔(۱)

فتح القدیر میں ہے کہ ''امام لوگوں کو لمبی نماز نہ پڑھائے، اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے کہ جو لوگوں کی امامت کرے، تو اسے خفیف نماز پڑھانی چاہئے، اس لیے کہ ان میں مریض، بوڑھے اور ضرورتمند ہوتے ہیں، اور نماز کسوف مستثنیٰ ہے، اس لیے کہ اس میں طویل نماز ہی سنت ہے، یہاں تک کہ سورج پوری طرح صاف وشفاف اور چمکدار ہو جائے۔(۲)

امامت کے لیے سلطان سے اجازت

امام کے لیے مناسب ہے کہ جب وہاں ذمہ دار اور با اثر موجود ہو تو اس کی اجازت سے ہی امامت کرے، اسی طرح اس کی اجازت سے بیٹھے، اور جب کسی گاؤں، شہر، قبیلہ، یا کسی محلّہ میں قیام کرے، تو انکی اجازت سے ہی ان کی امامت کرے، اسی طرح اگر کسی قوم کیساتھ قافلہ، سفر اور جم غفیر کے مجمع میں رہنے کا اتفاق ہو تو ان کی اجازت سے ہی امامت کرنی چاہئے۔

امام کی جگہ اور محراب

امام کے لیے مناسب ہے کہ قبلہ کے طاق (محراب) میں اس طرح داخل نہ ہو جائے کہ پیچھے سے نظر نہ آئے، بلکہ کچھ باہر رہنا چاہئے (محراب میں اس طرح داخل ہو کر نماز نہیں پڑھانی چاہئے کہ مقتدیوں کو پیچھے سے دیکھنا دشوار ہو) اسی طرح جب سلام پھیرے تو محراب میں نہ ٹھہرے بلکہ کھڑا ہو جائے اور بائیں جانب کچھ ہٹ کر محراب کے ایک کنارے سنن ونوافل میں مشغول ہو، اس لیے کہ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: امام اس جگہ جہاں لوگوں کو فرض نماز پڑھائی ہے، نفل وغیرہ نہ پڑھے؛ لیکن مقتدی کے

---

(۱) مسند احمد: ۲۰۹۰۵۔

(۲) مسند احمد ۱۶۴۶۰/۲۲۵/۱۷، مسلم ۱۷/۱۷، فتح القدیر جلد ۱/ صفحہ ۳۰۵۔

لیے یہ جائز ہے اور اس کو اختیار بھی ہے، چاہے تو اسی جگہ نماز پڑھ لے یا پھر کچھ پیچھے ہٹ کر نماز پڑھے۔

قرأت سے پہلے اور بعد میں سکتہ

امام کو دو سکتے کرنے چاہئے: ایک جب نماز شروع کرے اور دوسرا جب رکوع سے پہلے قرأت سے فارغ ہو، یہاں تک کہ اچھی طرح سانس لے لے اور اس کی قراءت کا شور پرسکون ہو جائے، اور اپنی قرأت رکوع کی تکبیر سے نہ ملائے، اسی طرح حضرت سمرہ بن جندبؓ کے حوالہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ دو مرتبہ خاموش ہوتے: جب نماز شروع کرتے اور جب پوری قرأت سے فارغ ہوتے۔(۱)

تسبیحات میں عجلت

امام کیلئے مناسب ہے کہ جب وہ رکوع کرے تین مرتبہ تسبیح پڑھے اور اس میں جلدی اور سرعت نہ کرے بلکہ اطمینان وسکون کیساتھ مکمل تسبیح پڑھے، اتنی جلدی نہ کرے کہ مقتدی اس کو نہ پاسکیں، یہ چیز مقتدیوں سے مسابقت کا باعث بن کر ان کی نماز فاسد کردے گی، تو اس کا گناہ امام کے سر جائے گا، اسی طرح جب رکوع سے سر اٹھائے اور ''سمع اللہ لمن حمدہ'' کہے تو سیدھے کھڑا ہو جائے، پھر بغیر جلد بازی کے ''ربنا ولک الحمد'' کہے حتی کہ مقتدی حضرات بھی اسے پالیں۔

امام ہر رکن کو سکون سے ادا کرے

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں آیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ''جب رکوع سے سر اٹھاتے تھے تو کھڑے رہتے، یہاں تک کہ کہا جاتا کہ آپ بھول گئے ہیں''(۲) اسی طرح اطمینان سے سجدے کرے، اور دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھے، تاکہ مقتدی ارکان نماز امام کے ساتھ اطمینان سے ادا کرسکے، اس کا کوئی اعتبار نہیں، اگر کوئی کہے

---

(۱) ابوداؤد حدیث نمبر ۶۶۰/۶۶۱۔

(۲) بخاری شریف حدیث نمبر ۷۵۸، مسلم ۷۲۶۔

کہ جب امام اطمینان سے ارکان ادا کرے گا تو مقتدی رکن کی ادائیگی میں سبقت کر جائے گا، جس سے نماز باطل ہو جائے گی، اگر مقتدی کا مسلسل یہ عمل ہے تو نماز باطل ہوگی، ورنہ جب مقتدی اپنے امام کو اس پر پابندی کرتے ہوئے دیکھیں گے، تو انہیں معلوم ہو جائے گا کہ اطمینان وسکون سے ارکان کی ادائیگی اس امام کی عادت ہے، لہٰذا وہ سکون سے ہر ایک رکن ادا کریں گے اور ادائیگی ارکان میں امام سے سبقت نہیں کریں گے، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ امام کیلئے بہتر یہ ہے کہ نماز شروع کرنے سے پہلے لوگوں کو امام سے سبقت کرنے سے ڈرائے اور خوف دلائے تو فساد کا اندیشہ نہ رہے گا، بلکہ یہ مصلحت عامہ اور سب کی نماز کی تکمیل کا باعث ہوگا۔

امام اپنے مقتدیوں کی نماز کا نگہبان ہے

حدیث میں ہے کہ ''تم میں سے ہر ایک آدمی نگہبان ہے اور ہر ایک سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال کیا جائے گا تو امام اپنے مقتدیوں کی نماز کا نگہبان ہے، اس سے اس کے مقتدیوں کے متعلق سوال کیا جائے گا(۱) لہٰذا امام کو اپنے مقتدیوں کی نگرانی کرنی چاہئے اور ان کی خیر خواہی کرنی چاہئے، انہیں رکوع وسجود میں مسابقت سے روکنا چاہئے، اور ان کو ادب وسلیقہ سکھانا چاہئے، اس لیے کہ وہ ان کا نگراں ہے، کل اس کی ذمہ داری کے بارے میں اس سے سوال بھی ہوگا، نماز کو اچھی طرح حسن وکمال کے ساتھ پوری کرنی چاہئے تاکہ مقتدیوں جیسا ثواب اس کے لیے بھی مرتب ہو، ورنہ اگر وہ نماز میں غلطی وکوتاہی کرتا ہے تو ان جیسا گناہ امام پر بھی ہے۔(۲)

امام کو مقتدیوں کی امامت کی نیت کرنا ضروری ہے

جمعہ اور عیدین کے علاوہ دیگر نمازوں میں اقتداء کی نیت کرنا مختار قول کے مطابق شرط ہے، کیونکہ جماعت ان دونوں کی صحیح ہونے کے لیے شرط ہے، لہٰذا اقتداء کی نیت کی ضرورت نہیں

(۱) بخاری شریف حدیث ۲۲۳۲۔ (۱) غنیۃ الطالبین صفحہ ۸۶۸۔

ہے، اور مقتدی کی طرف سے نیت شروع نماز میں تکبیر تحریمہ کے وقت حقیقتاً یا حکماً ہوتی ہے، اگر تنہا نماز پڑھنے کی نیت سے نماز شروع کی پھر امام کو درمیان نماز میں پایا پھر اس کی اقتداء کی نیت کرلی تو اس کی نماز صحیح نہیں ہوگی، کیونکہ شروع نماز میں نیت نہیں پائی گئی، تو منفرد کے لیے جماعت میں منتقل ہوجانا جائز نہیں ہے، جس طرح جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے والے کے لیے جماعت ترک کرکے اکیلا نماز شروع کردینا جائز نہیں کہ امام کو چھوڑنے کی نیت کرے، مگر یہ کہ کوئی ضرورت پیش آجائے، جیسے کہ امام نے اس پر نماز لمبی کردی ہو، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک یہ بات متفق علیہ ہے، شافعیہ کا اس میں اختلاف ہے، لیکن احناف کہتے ہیں کہ مقتدی کے تنہا نماز کے لئے منتقل ہوجانے سے نماز فاسد ہوجائے گی، مگر جب امام کے ساتھ قعدہ اخیرہ میں تشہد کے بقدر بیٹھ جائے پھر کوئی ضرورت پیش آجائے تو سلام پھیر دے اور امام کو چھوڑ دے، اور اگر بغیر عذر کے امام کو چھوڑ کر نماز مکمل کی ہے، تو نماز ہوجائے گی، لیکن گنہگار ہوگا۔

جہاں تک امام کو امامت کی نیت کرنے کا سوال ہے، تو وہ اس طرح نیت کرے مثلاً وہ ظہر یا عصر کی نماز کا امام ہے کیونکہ نیت کرنا مقتدیوں کی نماز کے صحیح ہونے کے لیے شرط ہے، اگر وہ عورتوں کا امام ہو تو ان کی امامت کی بھی نیت کرنا ضروری ہے ورنہ ان کی نماز فاسد ہوجائیگی اور امام کی صحیح ہوجائے گی، اگرچہ اس کے محاذات میں کوئی عورت آجائے۔(۱)

نیت کے بغیر اشتراک ثابت نہیں ہوتا

''غنیۃ الطالبین'' میں ہے کہ امام کے لیے مناسب ہے کہ نماز شروع کرنے سے پہلے دل سے امامت کی نیت کرلے اور اگر زبان سے بھی نیت کرلے تو زیادہ بہتر ہے، اور ''الموسوعۃ الفقھیہ'' میں ہے کہ آدمی کا امامت کی نیت کرنا، عورتوں کی اقتداء کے صحیح ہونے کے لیے شرط ہے، اگر وہ تنہا ہوں اور یہ رکوع وسجدہ والی نماز میں ہے نہ کہ نماز جنازہ میں، اس لیے کہ اس میں عورتوں سے محاذات لازم آتا ہے، اگر عورت اس کے محاذات میں آجاتی ہے، اور امام

(۲) کتاب الفقہ جلد ۱ رصفحہ ۳۶۹۔

نے اس کی امامت کی نیت نہیں کی ہے اور اس عورت نے اقتداء کی نیت کر لی، تو امام کے لیے کوئی حرج نہیں، اس کی نماز صحیح ہو جائے گی، لیکن عورت کی نماز صحیح نہیں ہوگی، کیونکہ نیت کے بغیر اشتراک ثابت نہیں ہوتا۔(۱)

امام صفوں کو سیدھی کرے

امام دائیں، بائیں جانب دیکھ کر صفوں کو سیدھی کرے اور کہے ''صفوں کو سیدھی کر لو، اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے اور خود بھی سیدھے ہو جاؤ، اللہ تم سے راضی ہو جائے'' اور ایک دوسرے سے قریب ہونے اور کاندھوں کو سیدھا کرنے اور خلا کو پر کرنے کا انہیں حکم دے، یہاں تک کہ ان کے کاندھے ایک دوسرے سے چھو جائیں، اس لئے کہ کاندھوں کا الگ الگ ہونا، اور صفوں کا ٹیڑھا ہونا، نماز میں نقص اور شیاطین کے حاضر ہونے اور ان کا لوگوں کے ساتھ صفوں میں کھڑے ہونے کا باعث ہے، حدیث میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''صفوں کو سیدھی کر لو اور کاندھوں کو آپس میں ملا لو اور خلا کو پورا کر لو تاکہ شیطان تمہارے درمیان بکری کے بچہ کی طرح کھڑا نہ ہو جائے'' (۲) اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لیے کھڑے ہوتے تھے تو تکبیر نہیں کہتے تھے حتی کہ دائیں اور بائیں جانب دیکھتے اور صحابہ کرام کو صفوں کو سیدھی کرنے کا حکم دیتے اور فرماتے: ''تم اپنی صفوں کو ٹیڑھی مت کرو، ورنہ تمہارے دلوں کے درمیان اختلاف پیدا ہو جائے گا'' (۳) ایک حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو صف سے سینہ نکالے ہوئے دیکھا تو فرمایا: ''اپنے کاندھے کو آپس میں ملا کر صف سیدھی کر لو، ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کے درمیان اختلاف پیدا فرما دے گا'' (۴) اور بخاری و مسلم کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ ''اپنی صفوں کو سیدھی

---

(۱) مراقی الفلاح جلد ۱ رصفحہ ۱۵۸، فتح القدیر جلد ۱ رصفحہ ۴۱۳ رالموسوعۃ الفقہیہ جلد ۶ رصفحہ ۲۰۷۔

(۲) ابوداؤد حدیث نمبر ۵۷۰، مسند احمد: ۵۷۸۷۱۔

(۳) مسلم حدیث نمبر ۶۵۴/ ترمذی ۲۱۱۔ نسائی ۷۹۸۔

(۴) ترمذی حدیث نمبر ۲۱۰۔

رکھا کرو، ورنہ اللہ تعالی تمہارے دلوں کے درمیان پھوٹ پیدا فرمادے گا‘‘(۱) ایک دوسری حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ’’نماز میں اپنی صفوں کو سیدھی کرلیا کرو، اس لیے صفوں کا سیدھی اور درست ہونا تکمیل نماز کی دلیل ہے‘‘(۲) اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آپ جب امام کی جگہ تشریف لے جاتے تو تکبیر نہیں کہتے، یہاں تک کہ صفوں کو درست کرنے کے لیے جو شخص متعین تھا، وہ آپکے پاس آتا اور آپ کو اطلاع دیتا کہ لوگوں نے صفوں کو درست کرلیا ہے، تب تکبیر کہتے۔(۳)

نماز کے درمیان امام کیا کرے؟

کن نمازوں میں سری قراءت کرے اور کن نمازوں اور رکعتوں میں جہری قرأت کرے گا؟ امام فجر اور مغرب وعشاء کی پہلی دو رکعت میں ادا اور قضا میں بھی جہری قرأت کرے گا، اسی طرح جمعہ اور عیدین اور تراویح اور اس کے بعد وتر کی نمازوں میں جہری قرأت کرے گا اور ان کے علاوہ دیگر نمازوں میں سری قرأت کرے گا، سری نمازوں میں سر اور جہری نمازوں میں جہر حنفیہ کے نزدیک امام پر واجب ہے اور دیگر ائمہ کے نزدیک سنت ہے۔(۴)

تخفیف نماز

امام کے لیے سنت یہ ہے کہ بعض افعال وہیئات کے ساتھ قراءت اور ذکر واذکار میں تخفیف کرے، اور کمال کے آخری درجہ پر عمل کرے، کیوں کہ حدیث میں ہے کہ ’’جب تم میں سے کوئی لوگوں کو نماز پڑھائے تو ہلکی نماز پڑھائے، اس لئے کہ جماعت میں، بیمار، کمزور،

---

(۱) بخاری حدیث نمبر ۶۷۶/ مسلم حدیث نمبر ۶۵۹۔

(۲) دارمی: ۱۲۳۵/ ابوداؤد ۶۷۵/ ابن ماجہ: ۹۸۳۔

(۳) غنیۃ الطالبین صفحہ ۸۶۵۔

(۴) فتح القدیر جلد ۱/ صفحہ ۲۴۲، ابن العابدین جلد ۱/ صفحہ ۳۵۸۔ جواہر الاکلیل جلد ۱/ صفحہ ۴۹/ مہذب جلد ۱/ صفحہ ۸۱۔

اور بوڑھے وغیرہ شریک ہوتے ہیں‘‘۔(۱)

ایک حدیث میں ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نماز میں طویل قراءت کیا کرتے تھے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذؓ سے فرمایا: ’’اے معاذ! کیا تم لوگوں کو فتنہ میں ڈالنے والے ہو؟ تم لوگوں کو ان میں سب سے کمزور کی رعایت کرتے ہوئے نماز پڑھایا کرو‘‘(۲) لیکن ہاں! اگر امام لوگوں کو نماز پڑھائے اور اسے معلوم ہو کہ مقتدی طویل قراءت کو ترجیح دیتے ہیں تو مکروہ نہیں ہے، کیونکہ ممانعت ان کی وجہ سے ہے، اور وہ راضی ہیں، اسی طرح امام کے لیے مکروہ ہے کہ سنن ومستحبات کی ادائیگی میں اتنی جلدی کرے کہ مقتدی انہیں ادا نہ کر سکے جیسے رکوع اور سجود میں تین تین مرتبہ تسبیح پڑھنا اور قعدہ اخیرہ میں سنت کے مطابق دعائیں وغیرہ پڑھنا۔(۳)

---

(۱) بخاری جلد۲ /حدیث نمبر ۱۹۹/ مسلم جلد اول حدیث نمبر ۳۴۱۔

(۲) بخاری جلد۲ /حدیث ۱۹۱/ مسلم جلد اول حدیث نمبر ۳۲۹۔

(۲) موسوعۃ فقہیہ جلد ۶ /صفحہ ۲۱۳ /المغنی جلد ۱ /صفحہ ۲۳۶، المہذب جلد ۱ /صفحہ ۱۰۲-۱۰۳۔

چوتھا باب
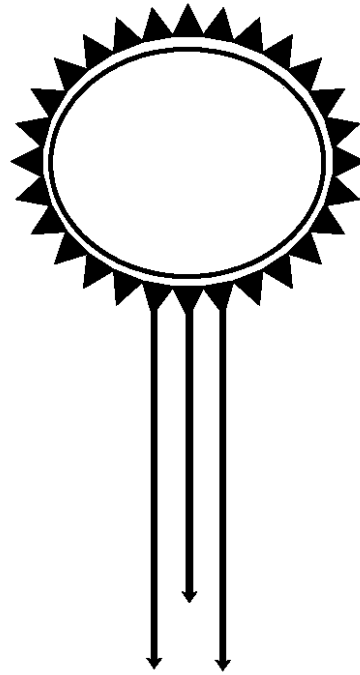
امامت کے لائق کون لوگ ہیں؟

چوتھا باب

امامت کے لائق کون لوگ ہیں؟

کن لوگوں کی امامت درست ہے؟

کن کن لوگوں کے لیے امامت کرنا درست ہے؟ اجمالی طور پر تو ہر عاقل بالغ، مسلم، یہاں تک کہ غلام، اعرابی، اندھے، ولد الزنا اور فاسق کی امامت بھی جائز ہے، اور یہی جمہور علماء کا قول ہے، امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ فاسق کی اقتداء کرنا جائز نہیں ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ امامت، امانت کے قبیل سے ہے اور فاسق امین نہیں وہ خائن ہے، اسی لیے اس کی گواہی بھی درست نہیں کیونکہ گواہی بھی امانت ہے۔

فاجر اور ہر نیکو کار کے پیچھے نماز پڑھو

اور ہماری دلیل، حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "صَلُّوْا خَلْفَ مَنْ قَالَ لَااِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ" (۱) (جس نے بھی لا الہ الا اللہ کا اقرار کیا اس کے پیچھے نماز پڑھو) اور ایسے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دوسری حدیث ہے "صَلُّوْا خَلْفَ كُلِّ بَرٍّ وَّفَاجِرٍ" (۲) ہر نیکو کار اور فاجر دونوں کے پیچھے نماز پڑھو۔

مذکورہ حدیث (اللہ بہتر جانتا ہے) اگر چہ جمعہ اور عیدین کے بارے میں وارد ہوئی ہے، کیونکہ ان دونوں نمازوں کا تعلق امراء سے ہے، اور اس طبقہ میں اکثر فساق ہوتے ہیں، مگر ظاہری الفاظ کے اعتبار سے زیر بحث مسئلہ میں ہمارا مستدل واقع ہو رہی ہے، اس لیے کہ

(۱) طبرانی فی الکبیر۔ (۲) ابوداؤد حدیث ۵۹۴/۲۵۳۳۔

اعتبار عموم لفظ کا ہوگا، خصوص سبب کا نہیں، اسی وجہ سے حضرت عبداللہ بن عمرؓ وغیرہ صحابہ نے اور بہت سے تابعین نے جمعہ اور اس کے علاوہ نمازوں میں حجاج کی اقتداء فرمائی ہے، حالانکہ حجاج اپنے زمانہ کا سب سے بڑا فاسق تھا، حتی کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ فرماتے تھے اگر پوری قوم اپنے تمام گناہوں اور خباثتوں کو لے کر آئے اور ہم حجاج کو پیش کر دیں تو یقیناً ہم ان پر غالب ہوں گے۔(۱)

بدعتی کے پیچھے نماز پڑھنا تنہا نماز پڑھنے سے بہتر ہے

شامی میں ہے کہ جس نے کسی بھی فاسق یا بدعتی کے پیچھے نماز پڑھی، اس کو جماعت کی فضیلت حاصل ہوگئی، کیونکہ ان دونوں کے پیچھے نماز پڑھنا تنہا نماز پڑھنے سے اولی ہے، لیکن وہ کمال اور فضیلت حاصل نہ ہوگی، جو ایک متقی اور پرہیزگار کے پیچھے نماز پڑھنے سے ہوتی ہے، اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے "مَنْ صَلّٰی خَلْفَ عَالِمٍ تَقِيٍّ فَكَأَنَّمَا صَلّٰی خَلْفَ نَبِيٍّ" (جس نے کسی متقی عالم کے پیچھے نماز پڑھی، اس نے گویا کسی نبی کے پیچھے نماز پڑھی) امام حاکم نے اپنی مستدرک میں مرفوعاً یہ حدیث نقل کی ہے، کہ اگر تم کو اس بات سے خوشی ہو کہ اللہ تعالی تمہاری نماز قبول کرے تو تم اچھے لوگوں کو اپنا امام بناؤ؛ کیونکہ وہ تمہارے اور اللہ رب العزت کے درمیان تمہارے نمائندے ہیں۔(۲)

بدعتی اور ہوی پرست کی امامت

بدعتی اور نفس پرست کی امامت مکروہ ہے، امام ابو یوسفؒ نے اس کی صراحت کی ہے، فرمایا: میں نفس پرست اور بدعتی کی امامت کو مکروہ سمجھتا ہوں؛ کیونکہ لوگ اس کے پیچھے نماز پڑھنے میں دلچسپی نہیں رکھتے، اب کیا اس کے پیچھے نماز جائز و درست ہوگی؟ اس کے جواب میں ہمارے بعض مشائخ نے فرمایا ہے کہ بدعتی کے پیچھے نماز درست نہیں ہوتی، امام ابوحنیفہؒ سے ایک روایت

(۱) بدائع الصنائع جلد اول صفحہ ۳۸۶۔

(۲) ردمحتار جلد اول صفحہ ۳۷۷۔

ہے کہ وہ بدعتی کے پیچھے نماز درست ہونے کی رائے نہیں رکھتے، اور صحیح بات یہ ہے کہ اگر وہ ایسا گمراہ اور نفس پرست ہو جس سے کہ وہ کافر کے حکم میں ہو جائے تو اس کے پیچھے نماز جائز نہ ہوگی، اور اگر کفر کی حالت تک نہ پہنچا ہو تو کراہت کے ساتھ جائز ہو جائے گی۔(۱)

گمراہ شخص کی امامت جائز نہیں

فتح القدیر میں ہے کہ بدعتی اور نفس پرست کی اقتداء کرنا مکروہ ہے، حاصل کلام یہ کہ ہر وہ شخص جو ہمارے قبلہ کی طرف منھ کر کے نماز پڑھتا ہے اور اپنی بدعت و گمراہی میں اتنا غلو نہیں کرتا ہے کہ اس کے کفر کا حکم لگایا جائے تو اس کے پیچھے نماز درست ہے اور اگر ایسا غالی بدعتی یا نفس پرست ہے جس کا کرنے والا کافر ہو جاتا ہے، جیسے جہمیہ، قدریہ جو کہ خلق قرآن کے قائل ہیں، اور غالی رافضی جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے منکر ہیں، اس طرح کے گمراہ شخص کی امامت جائز نہیں۔(۲)

بدعتی کی امامت مکروہ ہے

درمختار میں ہے کہ بدعتی کی امامت مکروہ ہے، جس کے عقائد حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول معروف کے خلاف ہوں اور یہ عقائد معاندانہ نہ ہوں بلکہ شبہ کی نوعیت سے ہوں، اور ہر وہ شخص جس کا قبلہ ہمارا قبلہ ہو تو اس کی تکفیر اس بدعت کی وجہ سے نہیں کی جائے گی، یہاں تک کہ خوارج کی بھی جو ہمارے خون اور مال کو حلال اور رسول کو برا بھلا کہنے کو جائز سمجھتے ہیں اور باری تعالی کی صفات اور اس کی رویت کا انکار کرتے ہیں، اس لئے کہ یہ تاویل اور شبہ سے کرتے ہیں، اور کافر نہ کہنے کی دلیل یہ ہے کہ ان کی شہادت قبول کی جاتی ہے، بخلاف حظامیہ کے کہ ان کی تکفیر کی جائے گی، اور کچھ علماء نے ان کی تکفیر کی ہے، اور اگر وہ بدعتی بعض ان چیزوں کا انکار کرے، جو ضروریات دین میں سے ہیں تو ان کی وجہ سے ان کی تکفیر کی جائے گی،

(۱) بدائع الصنائع جلد اول صفحہ ۳۸۶۔

(۲) فتح القدیر جلد اول صفحہ ۳۰۵۔

مثلاً وہ کہے کہ اللہ عام جسموں کی طرح ایک جسم ہے، اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کی مصاحبت یا صحابیت کا انکار کرے تو اس کی تکفیر کی جائے گی اور اس کی اقتداء اصلاً صحیح نہیں ہوگی۔(۱)

غلام کی امامت مکروہ تنزیہی ہے

غلام اگرچہ آزاد کردہ ہی کیوں نہ ہو، اس کی امامت مکروہ تنزیہی ہے، علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ غلام کے علاوہ کی امامت میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے، پھر فرمایا: غلام کا امامت کے لیے پیش قدمی کرنا مکروہ ہے اور لوگوں کا اس کی اقتداء کرنا مکروہ تنزیہی ہے، پس اگر غلام کے علاوہ کسی اور کی اقتداء کی جاسکتی ہو تو وہ افضل ہے، ورنہ الگ الگ نماز پڑھنے سے بہتر غلام کی اقتداء ہے، نیز لفظ معتق (آزاد کردہ ہی کیوں نہ ہو) کا استعمال حقیقی ومجازی دونوں معنی میں ہے یعنی غلام اگرچہ آزاد ہے؛ لیکن باعتبار ما کان غلام ہے یعنی پہلے غلام تھا، الا یہ کہ اس میں معنی مجازی کی عمومیت پائی جائے، بایں طور کہ ''غلام'' سے مراد وہ شخص ہو جو کبھی بھی غلامی کی صفت سے متصف رہا ہو، خواہ فی الحال یا ماضی میں، اور آزاد کردہ غلام کی امامت مکروہ ہونے کی علت یہ ہے کہ اصلی آزاد شخص امامت کا، غلام سے زیادہ مستحق ہے، کیونکہ غلام کی پرورش غلامی کی حالت میں آقا کی خدمت میں مشغول ہوتے ہوئے ہوئی، جس کی وجہ سے وہ تعلیم حاصل کرنے کے لیے فارغ نہ ہو سکا۔(۲)

''بدائع الصنائع'' میں ہے کہ غلام کی امامت جائز ہے، اور ابوسعید مولی بنی اسید کی روایت سے استدلال کیا ہے، جس میں وہ فرماتے ہیں کہ ''میں نے شادی کی اور اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک جماعت کو دعوت دی، جن میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بھی تھے، تو نماز کا وقت آ گیا، تو انھوں نے مجھے آگے بڑھا دیا تو میں نے ان سب کو نماز پڑھائی، حالانکہ میں اس وقت غلام تھا'' اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ ''حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نماز پڑھانے کیلئے آگے بڑھے تو ان سے

---

(۳) درمختار جلد اول صفحہ ۳۷۶۔

(۳) درمختار جلد اول صفحہ ۳۷۶۔

کہا گیا کہ آپ آگے بڑھ رہے ہیں حالانکہ اس وقت آپ دوسرے کے گھر پر تشریف فرما ہیں، تو انہوں نے مجھے آگے بڑھا دیا تو میں نے ان سب کو نماز پڑھائی حالانکہ اس وقت میں غلام تھا''۔

یہ حدیث معروف ہے، امام محمدؒ نے کتاب المأذون میں اس کو نقل کیا ہے، اور امام شافعی نے اپنی مسند میں ابن جریج سے نقل کیا ہے، فرمایا کہ عبداللہ بن عبیداللہ بن ابی ملیکہ نے مجھے بتایا کہ وہ اور عبید بن عمیر اور مسور بن مخرمہ اور بھی بہت سارے لوگ حضرت عائشہؓ کے پاس وادی کے بالائی حصہ سے جاتے، پس ابوعمر اور مولی عائشہ ان سب کی امامت کرتے تھے اور ابوعمر اور حضرت عائشہؓ کا غلام اس وقت تک آزاد نہیں ہوئے تھے، فرمایا: وہ بنی محمد ابن ابی بکر اور عروہ کے امام تھے۔(۱)

امامت کی بناء فضیلت پر ہے

عقلی دلیل یہ ہے کہ نماز کے جواز وعدم جواز کا تعلق اداء ارکان سے ہے، اور یہ لوگ ان پر بخوبی قادر ہیں، مگر دوسرے زیادہ بہتر ہیں، اس لیے کہ امامت کی بناء فضیلت پر ہے، اسی لیے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم دوسروں کی امامت فرماتے تھے، کوئی دوسرا آپ کی امامت نہیں کرتا تھا، اور ایسے ہی خلفائے راشدین رضوان اللہ عنہم اجمعین میں سے ہر ایک کا اپنے زمانے میں حال تھا، اس لیے کہ لوگ فاسق، اعرابی، اندھے اور ولد الزنا اور ان جیسے لوگوں کی اقتداء میں رغبت اور دلچسپی نہیں رکھتے ہیں، اس طرح ان لوگوں کی امامت قلت جماعت کا سبب بن جائے گی جو کہ مکروہ ہے، اور اس وجہ سے بھی کہ نماز کی ادائیگی کا مدار علم پر ہے اور اکثر وبیشتر غلام جاہل ہوتے ہیں، اس وجہ سے کہ آقا کی خدمت میں مشغول رہ کر ان پڑھ رہ جاتے ہیں، تحصیل علم کا موقع نہیں ملتا، امام شافعیؒ نے فرمایا(۲) جب غلام علم وورع میں دوسرے کے برابر ہو، تو دونوں برابر ہیں، اس وقت ایک کو چھوڑ کر دوسرے کے پیچھے نماز میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ نہیں ہے، انہوں نے ابوسعید مولی بنی اسید کی حدیث سے استدلال کیا ہے جو کہ جواز پر دلالت کرتی ہے اور اس میں کوئی کلام نہیں ہے، البتہ تقلیل جماعت اور فضیلت میں بمقابلہ

(۱) اعلاء السنن ۴/ ۱۰۸۔

(۲) الأم جلد ۱/صفحہ ۱۶۵/ مغنی المحتاج جلد ۱/صفحہ ۲۴۰۔

آزاد کے کم ہونا، کراہت کا موجب ہے۔(۱)

نابینا کی امامت بھی مکروہ تنزیہی ہے

نابینا (اندھے) کی امامت مکروہ تنزیہی ہے، اور اَعشی (رتوندی والا شخص) جس کو کم نظر آتا ہو، خواہ رات ہو یا دن اس کا بھی تقریباً یہی حکم ہے، جس کو رات اور دن دونوں حالتوں میں کم نظر آتا ہو، اس کو اَعشی کہتے ہیں، اور نابینا کی امامت کی کراہت کی علت یہ ہے کہ وہ نجاست سے محفوظ نہیں رہ پاتا، البتہ اگر فاسق نہ ہو، اَعلم القوم ہو تو اس کی امامت مکروہ نہیں ہے، ہدایہ میں کراہت کی علت ان لوگوں میں غلبۂ جہل اور تنفر کو بتایا ہے، دوسری علت یعنی تنفر کا تقاضا ہے کہ اگر جہل نہ بھی ہو تو کراہت ثابت رہے گی، لیکن نابینا کے بارے میں خاص نص وارد ہوئی ہے، اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت عبداللہ بن ام مکتومؓ اور حضرت عتبانؓ کو مدینہ پر اپنا خلیفہ بنانا ہے، جب کہ یہ دونوں صحابی نابینا تھے(۲) اس لیے کہ ان کے مقابلہ میں زیادہ صالح لوگ باقی نہ رہ گئے تھے، یہی دلیل مناسب ہے جس کی بنا پر فقہاء نے نابینا کے استثناء پر اکتفا کیا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ ''اَعلم القوم'' کا استثناء نابینا (اندھے) کے ساتھ مخصوص ہے، اس کے علاوہ میں کراہت صفت علم سے متصف ہو کر بھی باقی رہتی ہے، لیکن اگر علت کراہت معدوم ہو تو اس صورت میں اعرابی شہری سے افضل ہوگا، غلام آزاد سے اور ولد الزنا ولد الرشدۃ سے اور نابینا صاحب بصارت سے، اور پھر حکم برعکس ہوگا، اور شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ اس حالت میں تنفیر جماعت ان لوگوں کو امامت کیلئے بڑھانے سے زائل ہو جاتی ہے، جب کہ یہ دوسرے سے افضل ہو بلکہ اس کے برعکس کسی اور کو آگے بڑھانے سے تنفیر جماعت لازم آتی ہے۔

فاسق کی امامت مکروہ تحریمی ہے

فاسق کا مسئلہ یہ ہے کہ فقہاء نے اس کی تقدیم کی کراہت کی علت یہ بیان کی ہے کہ وہ دینی

(۱) بدائع الصنائع جلد اول صفحہ ۳۸۷۔

(۲) حضرت ابن ام مکتوم کے استخلاف کی روایت ابوداؤد: ۵۹۵ رمیں دیکھیں۔

امور کا اہتمام نہیں کرتا اور یہ کہ امامت کیلئے اس کو آگے بڑھانے میں اس کی تعظیم ہے، حالانکہ شرعاً اس کی توہین واجب ہے، یہ تو واضح ہے کہ اگر وہ احکام شریعت سے دوسروں سے زیادہ واقف ہو تب بھی علت زائل نہیں ہوگی، اس لیے کہ کچھ پتہ نہیں کہ وہ لوگوں کو بغیر طہارت کے نماز پڑھادے، اس لیے یہ اس بدعتی کی طرح ہے جس کی امامت ہر حال میں مکروہ ہے، بلکہ صاحب ''شرح المنیۃ'' نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ اس کی امامت مکروہ تحریمی ہے، اسی لیے اس کے پیچھے امام مالکؒ کے نزدیک اور ایک روایت میں امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک نماز جائز ہی نہیں ہے، اسی لیے شارح نے مصنف کی اس استثنائی صورت کو غیر فاسق پر محمول کیا ہے۔(۱)

علامہ کاسانی نے بدائع الصنائع میں لکھا ہے کہ نابینا کی امامت جائز ہے اور حضرت عبداللہ بن ام مکتومؓ والی روایت سے استدلال کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب ایک غزوہ کے لیے تشریف لے گئے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ ابن مکتومؓ کو مدینہ میں نماز پڑھانے کے لیے نائب بنایا تھا، حالانکہ حضرت ابن مکتومؓ نابینا تھے۔(۲)

اور نابینا کی امامت میں وجہ کراہت یہ ہے کہ بسا اوقات دوسرا اس کو قبلہ رو کرتا ہے، اور اس طرح قبلہ کے معاملہ میں وہ دوسرے کا مقتدی ہو جاتا ہے، اور کبھی دوران نماز قبلہ سے پھر جاتا ہے، کیا آپ کو معلوم نہیں کہ جب حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی بصارت جاتی رہی تو آپ نماز پڑھانے سے باز رہتے اور فرماتے کہ میں تم لوگوں کو کیسے نماز پڑھاؤں جب کہ تم مجھے سیدھا (قبلہ رخ) کرتے ہو، اور نابینا کی امامت مکروہ ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس کے لئے نجاست سے پوری طرح محفوظ رہنا ممکن نہیں، پس بینا زیادہ بہتر ہے، ہاں! جب مسجد میں کوئی دوسرا اس کے مقابلہ میں صاحب فضیلت موجود نہ ہو تو بلا کراہت وہ اولی ہوگا، اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن ام مکتومؓ کو نائب بنایا تھا۔(۱)

---

(۱) فتاویٰ شامی جلد اول صفحہ ۳۷۶۔

(۲) طبرانی بحوالہ اعلاء السنن ۴ر صفحہ ۲۰۸۔

(۱) بدائع الصنائع جلد اول صفحہ ۳۸۷۔

''اعرابی'' (ان پڑھ دیہاتی) کی امامت

اعرابی کی امامت مکروہ تنزیہی ہے اور اسی کے حکم میں ترکمان، کرد اور عامی بھی شامل ہیں، لفظ اعرابی ''اَعراب'' کی طرف نسبت ہے، اس لفظ کی واحد اور جمع نہیں آتی ہے، جیسا کہ صحاح میں ہے کہ یہ عرب کے دیہاتیوں کے لیے بولا جاتا ہے، اور علت غلبۂ جہالت ہے۔(۱)

''بدائع الصنائع'' میں صراحت ہے کہ نماز کی ادائیگی کی بناء علم پر ہے، اور اعرابی (بدو) پر جہالت غالب ہوتی ہے، جیسا کہ فرمان باری تعالی ہے ''اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوا حُدُوْدَ مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِه''(۲) (اعرابی (بدو) کفر اور نفاق میں سخت ہوتے ہیں اور ان کی یہ حالت حدود اللہ سے جو کہ اللہ رب العزت نے رسول کریم پر نازل فرمائے ہیں، ناواقفیت سے زیادہ قریب تر ہے)۔

اور لفظ ''اعرابی'' یعنی دیہاتی ان پڑھ، یہ حقارت و مذمت کے لیے اور ''عربی'' یعنی عرب کا رہنے والا، تعریف کے لیے استعمال ہوتا ہے۔(۳)

ولد الزنا کی امامت مکروہ ہے

ولد الزنا کی امامت مکروہ ہے، اس لیے کہ اس کا کوئی باپ نہیں جو اس کی تربیت کرتا، اس کو ادب سکھاتا اور تعلیم دیتا، تو غلبۂ جہالت اور لوگوں کی اس سے نفرت کی وجہ سے اس کی امامت مکروہ ہے(۵) البتہ اگر علم وفضل اور تقوی والا ہو اور وہاں کوئی اس سے افضل موجود نہ ہو، تو اس وقت ولد الزنا دوسروں سے امامت کا زیادہ مستحق ہوگا۔

امرد کی امامت مکروہ تنزیہی ہے

امرد کی امامت مکروہ ہے، اور بظاہر مکروہ تنزیہی ہے، امرد سے مراد بے ریش خوبصورت

---

(۱) شامی جلد اول صفحہ ۳۷۶۔ (۲) سورۃ توبہ آیت ۹۷۔

(۳) بدائع الصنائع جلد اول صفحہ ۳۸۶۔ (۴) ردالمحتار جلد اول صفحہ ۳۷۷۔

چہرے والا ہے، کیونکہ یہ محل فتنہ ہے؛ لیکن کیا یہاں بھی اعلم القوم کی بنیاد پر علت کراہت جاتی رہے گی یا نہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر علت کراہت شہوت کا اندیشہ ہے جیسا کہ ظاہر ہے تو کراہت ختم نہ ہوگی، اور اگر غلبۂ جہالت اور لوگوں کے تنفر کی وجہ سے ہو تو کراہت ختم ہو جائے گی، اور صاف رخساروں والا (کلین شیو) بالغ، محل شہوت شخص بھی امرد ہی کی طرح ہے،

علامہ شیخ عبدالرحمٰن بن عیسیٰ المرشدی سے ایک ایسے شخص کے بارے میں دریافت کیا گیا جو بیس سال کی عمر کو پہنچ چکا ہو اور داڑھی نکلنے کی عمر کو پار کر چکا ہو، مگر ابھی تک داڑھی نہ نکلی ہو، آیا یہ شخص امرد کی حد سے باہر ہے یا نہیں؟ (خصوصاً جب کہ چند بال اس کی ٹھوڑی پر نکلے ہوں جس سے معلوم ہوتا ہو کہ یہ شخص مستدیر اللحیہ یعنی پوری داڑھی والا نہیں) اور کیا اس کا حکم امامت کے سلسلہ میں رجل (مرد کامل) کی طرح ہوگا یا نہیں؟ جواب میں فرمایا: کہ علامہ شیخ احمد بن یونس عرف ابن شلبی جو کہ متاخرین علماء احناف میں سے ہیں، ان سے ایسے ہی مسئلہ کے بارے میں پوچھا گیا، تو انہوں نے بغیر کراہت کے جواز کا فتوی دیا، اور وہ نمونہ کے لئے کافی ہیں، واللہ اعلم، اور ایسے ہی مفتی محمد تاج الدین قلعی سے دریافت کیا گیا تو انہوں نے بھی اسی طرح جواب دیا۔(۱)

معذور لوگوں کی امامت

معذور لوگ مثلاً: نالائق ونا ہنجار بیوقوف، مفلوج، سفید داغ والا جب کہ پورے جسم پر پھیل گیا ہو، شرابی، سودخور، چغل خور، جھگڑالو، ریاکار، بناوٹی، تصنع پسند اشخاص کی امامت مکروہ ہے۔

علامہ شامیؒ نے ''بیوقوف'' کا مطلب بتایا ہے کہ وہ شخص جو مقتضیات شرعی یا عقلی کے مطابق تصرف ٹھیک سے نہ کرسکتا ہو، اور ایسے ہی اعرج یعنی لنگڑا جو کسی ایک پیر پر کھڑا ہوتا ہو، اس کے مقابلہ میں دوسروں کی امامت زیادہ اولی ہے، اسی طرح کوڑھی اور مجبوب (جس کا عضو تناسل کٹا ہوا ہو) اور ہاتھ پیر کٹا ہوا، اور حاقن (جو پیشاب یا پاخانہ کو روک کر رکھے) ان سب کی امامت مکروہ ہے، کیونکہ ان لوگوں میں علت کراہت نفرت کا ہونا ہے، اور اسی لیے ابرص کے

(۱) ردالمحتار جلد اول رصفحہ ۳۷۸۔

ساتھ پھیلاؤ کی قید لگائی گئی ہے تاکہ حکم ظاہر ہو، اور مفلوج اور اقطع اور مجبوب میں بھی کمال طہارت کے ناممکن ہونے کی وجہ سے اور حاقن میں پیشاب کی وجہ سے کراہت ہے، اور چغل خور وہ شخص ہے جو بغرض فساد لگائی بجھائی کرتا ہو، یہ گناہ کبیرہ ہے اور اس کا قبول کرنا انسان پر حرام ہے، اور ریا کار وہ ہے جو چاہتا ہو کہ لوگ اسے دیکھیں خواہ تحسین طاعات میں تکلف کرے یا نہ کرے، اور متصنع وہ ہے جس کی ادائیگی تحسین میں تکلف بھی ہو، تو یہ ریا کار کے مقابلہ میں زیادہ خاص ہے۔(۱)

ہکلے کی امامت درست نہیں

امام کی زبان ایسی صاف و درست ہو جس سے ادائیگی حروف میں تبدیلی واقع نہ ہو، مثلاً ''راء'' کی جگہ ''غین'' پڑھ دیا، یا ''سین'' کو ''ثا'' سے ''ذال'' کو ''زا'' سے ''شین'' کو ''سین'' سے تبدیل کر دیا یا پھر دوسرے حروف تہجی کی صفات کو ایک دوسرے میں خلط ملط کر دیا، تو یہ ''الثغ'' (ہکلا) کہلاتا ہے، لثغ (ہکلا پن) عربی میں زبان کا ایک حرف کا دوسرے حرف کی طرف پھر جانے کا نام ہے، اس طرح کی کمی والے شخص پر زبان درست کرنا اور حتی المقدور صحیح حروف کی ادائیگی کے لیے کوشش کرنا واجب ہے، اگر اس کوشش کے بعد بھی وہ عاجز ہو تو پھر اس کی امامت درست نہیں۔

ہکلے کی امامت ہکلوں کیلئے درست ہے

البتہ اپنے جیسوں کے لیے درست ہے اور اگر کوتاہی کرے اور زبان کی اصلاح کی کوشش نہ کرے، تو سرے سے اس کی نماز صحیح نہیں ہوگی، چہ جائے کہ اس کی امامت، اور یہ حکم احناف وشوافع اور حنابلہ کے نزدیک متفق علیہ ہے، مگر احناف مزید کہتے ہیں کہ یہ ایسے شخص کے لیے ہے جس کو پورے قرآن میں سے سورہ فاتحہ کے علاوہ کسی ایک جگہ سے بھی صحیح پڑھنا ممکن ہو اور اس نے پڑھا ہو تو اس کی نماز باطل نہیں ہوگی، کیونکہ سورہ فاتحہ کا پڑھنا ان کے نزدیک

(۱) فتاوی الشامی جلد ۱ رصفحہ ۳۷۸۔

فرض نہیں ہے، اور مالکیہ کا ان سب میں اختلاف ہے، وہ کہتے ہیں کہ ایسی صورت میں مطلقاً اس کی امامت درست ہے "الثغ" کی طرح تفصیل میں وہ شخص بھی ہے جو ایک حرف کو دوسرے حرف میں غلطی سے مدغم کردے، مثلاً "سین" کو "تا" سے بدل کر بعد میں آنے والی "تا" میں اس کا ادغام کردے جیسے "مستقیم" کو "متّقیم" پڑھ دیا، ایسے شخص پر واجب ہے کہ زبان کی اصلاح میں بھرپور کوشش کرے، اگر عاجز آجائے تو اس کی امامت اسی جیسوں کے لیے درست ہے اور اگر کوتاہی کرے تو اس کی نماز اور امامت دونوں باطل ہیں، اور "فأفأ" جس کے کلام میں "ف" کا تکرار ہوتا ہو اور "تمتام" جسکی بات میں "ت" کا تکرار ہوتا ہو، ان دونوں کی امامت انھیں جیسوں کے لیے درست ہے اور صحیح لوگوں کے لیے شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک کراہت کے ساتھ جائز ہے، مالکیہ بغیر کسی کراہت کے مطلق جواز کے قائل ہیں، اور احناف کہتے ہیں کہ ان دونوں کی امامت ہکلے کی امامت کی طرح ہے، اس لئے انھیں جیسوں کے لیے درست ہے۔(۱)

مفتی بہ قول یہی ہے کہ ہکلے کی امامت درست نہیں

علامہ شامیؒ نے نقل کیا ہے کہ ہکلے کی امامت دوسرے لوگوں کے لیے بھی جائز ہے اور عدم جواز کا قول بھی ہے، اور اکثر مشائخ نے چونکہ مطلق کہا ہے کہ ایسے شخص کو چاہئے کہ دوسرے لوگوں کی امامت نہ کرے، اور جس کے کلام میں لفظ "ف" کا تکرار ہوتا ہو، اس کی امامت مکروہ ہے؛ لیکن زیادہ محتاط عدم صحت کا قول ہے، اور "خیر الرملی" نے اسی پر فتوی دیا ہے اور اپنے فتاوی میں کہا کہ راجح اور مفتی بہ قول یہی ہے کہ ہکلے کی امامت درست نہیں ان لوگوں کے لیے جن کی زبانوں میں ہکلاپن نہ ہو، اور مندرجہ ذیل اشعار سے اس جواب کو نقل کیا ہے۔ ؎

إمــــامة الألثـغ لـلـمـغـايـر تجوزعند البعض من أكابر

وقـد أبـاه أكثـر الأصحـاب لـمــا لـغيـره من الصواب

(۱) کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ جلد اول صفحہ ۳٦۵۔

(ہکلے کی امامت بعض مشائخ کے نزدیک جائز ہے (غیروں کے لیے جو ہکلے نہ ہوں) اور اکثر اصحاب نے اس کا انکار بھی کیا ہے، کہ وہ درست لوگوں کی امامت نہ کرے)۔

اور فرمایا: ؎

إمـــامة الألثغ لـلـفـصيح　　　فاسدة في الراجح الصحيح

(ہکلے کی امامت، درست زبان رکھنے والوں کے لیے صحیح اور راجح قول کے مطابق فاسد ہے)۔

اور یہ بھی ہے کہ ہکلاپن ''سین'' اور ''را'' کے ساتھ میں مخصوص ہے، جیسے الرہمن، الرہیم، والشیتان الرجیم، والآلمین، وایاک نابد، وایاک نستئین، السرات، انأمت، ان تمام کا حکم یہ ہے کہ وہ ہمیشہ کوشش اصلاح جاری رکھیں، ورنہ نماز درست نہ ہوگی۔

اگر ہکلاپن معمولی ہو

خیر الرملی سے پوچھا گیا کہ اگر ہکلاپن معمولی ہو تو کیا حکم ہے؟ تو جواب دیا کہ ہمارے ائمہ نے اس کا اعتبار نہیں کیا ہے، نماز درست ہوگی، شافعیہ نے اس کی صراحت کی ہے کہ اگر ہکلاپن اتنا معمولی ہو کہ صرف حروف صاف ادا نہیں ہوتے ہوں تو اس سے کچھ فرق نہیں پڑے گا۔(۱)

کبڑے کی امامت صحیح نہیں ہے

صحت امامت کی شرطوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ امام کبڑا نہ ہو، یعنی کمر اس طرح نہ جھکی ہو کہ بالکل حالت رکوع کو پہنچی ہوئی ہو، اگر رکوع کی حد تک جھکاؤ ہو تو اس کی امامت صحیح کمر والوں کے لیے درست نہیں ہے، البتہ اسی جیسے لوگ اس کی اقتداء کر سکتے ہیں، ائمہ ثلاثہ کا متفق علیہ مسلک یہی ہے، شافعیہ کا اس میں اختلاف ہے، وہ فرماتے ہیں کہ اس کی امامت کبڑوں اور غیر کبڑوں سب کے لیے درست ہے، خواہ اس کی کمر کا جھکاؤ حد رکوع تک ہی

(۱) رد المحتار علی الدر المختار جلد اول صفحہ ۳۹۱۔

کیوں نہ ہو۔(۱)

بیڑی، سگریٹ پینے والے کی امامت مکروہ ہے

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ عمادی سے نقل کیا ہے، کہ سودخوری میں مشہور یا محرمات کے استعمال کرنے والے یا مکروہ اشیاء کو پابندی سے استعمال کرنے والے شخص کی امامت مکروہ ہے، جیسے اس زمانے میں بیڑی، سگریٹ حقہ وغیرہ پینے والے ہیں۔(۲)

داڑھی کاٹنے والے کی امامت مکروہ تحریمی ہے

داڑھی کاٹنے والے کی امامت مکروہ ہے؛ کیونکہ داڑھی کاٹنا یا مونڈنا یا ایک مشت سے کم رکھنا حرام ہے اور جس نے حرام کا ارتکاب کیا وہ فاسق ہے، اس لیے کہ حدیث شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "قَصُّوا الشَّوارِبَ وَاعْفُوا اللُّحی"(۳) کہ (مونچھیں کٹاؤ اور داڑھی بڑھاؤ) حضرت ابو ہریرہؓ سے ہی دوسری روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: "جُزُّوا الشَّوَارِبَ وَأَرْخُو اللُّحیٰ خَالِفُوا الْمَجُوسَ" (۴) کہ (مونچھیں کٹاؤ اور داڑھیاں بڑھاؤ، مجوس کی مخالفت کرو)۔

داڑھی کاٹنے والا فاسق کے درجہ میں ہے

دونوں حدیثوں میں داڑھی بڑھانے کے لئے امر کا صیغہ ہے اور امر وجوب پر دلالت کرتا ہے اور جو واجب کا تارک ہے وہ فاسق ہے، اگر وہ زبردستی امام بن گیا یا مسجد کے متولی نے اسے مقرر کر دیا اور اب لوگ اسے امامت سے ہٹا بھی نہیں سکتے، تو وہ لوگ دوسری مسجد میں

(۱) کتاب الفقہ جلد اول صفحہ ۳۷۷۔

(۲) ابن عابدین جلد ۵ر صفحہ ۲۹۶/ الموسوعۃ الفقہیہ جلد ۱۰ر صفحہ ۱۱۳۔

(۳) مسند احمد حدیث ۶۸۳۵۔

(۴) مسند احمد۔

نیک صالح امام کی تلاش کریں، پھر اگر کوئی امام نہ ملے، تو جماعت ترک نہ کریں بلکہ فاسق کے پیچھے ہی نماز پڑھیں اور اس کا بار اور گناہ فاسق امام کو متعین کرنے والوں پر ہوگا۔(۱)

امداد المفتین میں ہے کہ ''داڑھی کاٹنے والا یا مونڈنے والا فاسق اور گناہ کبیرہ کا مرتکب ہے، اس کی امامت جائز نہیں ہے، اس لیے اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، اس کی توہین ضروری ہے اور اس کو امامت کے لیے آگے بڑھانے میں اس کی تعظیم ہے''۔(۲)

کفایۃ المفتی میں ہے کہ ''داڑھی مونڈانے والے کی امامت مکروہ ہے، مگر ہاں! اگر مقتدی بھی سب کے سب داڑھی مونڈاتے ہوں تو کوئی حرج نہیں ہے''۔(۳)

---

(۱) احسن الفتاوی جلد۳ر صفحہ۲۶۰۔

(۲) امداد المفتین جلد ار صفحہ۲۶۱۔

(۳) کفایۃ المفتی جلد۳ر صفحہ۵۷۔

پانچواں باب
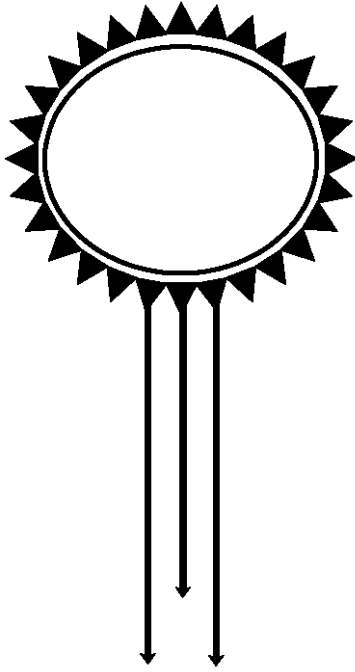
کن لوگوں کی امامت درست ہے اور کن کی نہیں؟

پانچواں باب

کن لوگوں کی امامت درست ہے اور کن کی نہیں؟

دوسرے مسلک کے امام کی اقتداء کرنا کیسا ہے؟

حنفی کے لئے دوسرے مسلک کے متبع (مثلاً شوافع، حنابلہ، مالکیہ) امام کی اقتداء کرنا کیسا ہے؟ دوسرے مسلک کے امام کے پیچھے نماز مکروہ ہوتی ہے، جیسے شافعی؛ لیکن وتر کی نماز مکروہ نہیں ہوتی، اگر امام اختلافی مسائل میں رعایت کرنے والا ہو، اگر رعایت کرنے والا نہ ہو تو صحیح نہیں ہوگی، اور اگر شک وشبہ ہو تو نماز مکروہ ہے، علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ یہی بات معتمد علیہ اور صحیح ہے، اس لیے کہ محققین نے اسی قول کو ترجیح دی ہے، اور مذہب کے اصول بھی اس پر شاہد ہیں، اکثر مشائخ کا کہنا ہے کہ اگر اس کی عادت اختلافی مسائل میں رعایت کی ہے، تو اس کی اقتداء جائز ہے، ورنہ جائز نہیں، اور میں کہتا ہوں کہ یہ اس بنا پر ہے کہ مقتدی کی رائے کا اعتبار ہوگا، اور زیادہ صحیح قول بھی یہی ہے، اور ایک قول یہ بھی ہے کہ امام کی رائے کا اعتبار ہوگا اور اس پر ایک جماعت کاربند ہے ''النہایہ'' میں لکھا ہے کہ یہی زیادہ قرین قیاس ہے اور اس بنا پر اقتداء کرنا صحیح ہے، اگر چہ وہ احتیاط نہ کرتا ہو، اور اگر اس نماز میں ارکان وشرائط اور فرائض میں رعایت کرتا ہو تو اس کی اقتداء مکروہ نہ ہوگی، اگر چہ وہ واجبات اور سنن میں رعایت نہ کرتا ہو، جہاں تک مخالف فی الفروع جیسے شافعی کی اقتداء کا تعلق ہے تو وہ جائز ہے، جب تک کہ اس سے کسی متقدی کے اعتقاد کے مطابق کسی مفسد صلاۃ کا علم نہ ہو، اور اسی پر اجماع ہے، اختلاف مکروہ ہونے کے بارے میں ہے، چنانچہ مفسد کے ساتھ یہ قید لگائی گئی ہے نہ کہ غیر کے ساتھ ''رسالۃ الاہتداء فی الاقتداء'' میں ملا علی القاری نے لکھا ہے کہ ہمارے

عام مشائخ جواز کے قائل ہیں، جبکہ موضع اختلاف میں احتیاط کا پہلو مدنظر رکھتا ہو، ورنہ جائز نہیں ہے، مطلب یہ ہے کہ رعایت کرنے والے کی اقتداء بلا کراہت جائز ہے اور اس کے علاوہ کی کراہت کے ساتھ۔

رعایت کی اہم جگہیں یہ ہیں کہ وہ فصد، حجامت، قے، نکسیر وغیرہ سے وضو کرے، نہ کہ وہ چیزیں جو ان کے نزدیک سنت ہیں، اور ہمارے نزدیک مکروہ، جیسا کہ تکبیرات انتقال میں رفع یدین کرنا، بسم اللہ کا جہراً و سراً پڑھنا، یہ اور اسی طرح کی اور بھی مثالیں ہیں، ان میں اختلاف سے خروج ممکن ہی نہیں، چنانچہ ہر ایک اپنے مذہب کی اتباع کرے اور اپنے مشرب کو اختیار کرے۔

اگر واجبات کی رعایت کرتا ہے تو درست ہے

اگر معلوم ہو کہ وہ فرائض و سنن اور واجبات میں رعایت کرنے والا ہے تو کوئی کراہت نہیں اور اگر مذکورہ تینوں چیزوں کے چھوڑنے کا علم ہو تو پھر صحیح نہیں ہے، اور اگر کچھ معلوم نہ ہو تو مکروہ ہے، اس لیے کہ بعض ایسے اعمال جن کا ہمارے یہاں ترک کرنا ضروری اور واجب ہے، امام شافعیؒ کے یہاں ان کا کرنا سنت ہے، تو ظاہر ہے وہ تو اس کو کرے گا، اور اگر معلوم ہو کہ وہ امام واجبات اور سنن میں رعایت نہیں کرتا تو مکروہ ہونا چاہیے، کیونکہ جب واجب کے ترک کے احتمال پر مکروہ ہے تو اس کے تحقق کے وقت تو بدرجہ اولی مکروہ ہوگا، اور اگر یہ معلوم ہو کہ امام صرف سنن میں رعایت نہیں کرتا تو اس کی اقتداء کرنا درست ہے، اس لیے کہ جماعت واجب ہے اور مکروہ تنزیہی کے چھوڑنے پر یہ مقدم ہے۔

اپنے مسلک کی اقتداء کرنا افضل ہے

علامہ خیر الدین نے الرملی الشافعی سے نقل کیا ہے کہ وہ مخالف مسلک کی اقتداء کے مکروہ ہونے کے قائل تھے، جہاں اس کے علاوہ امام ممکن ہو، اور اس کے باوجود جماعت، الگ نماز پڑھنے سے افضل ہے، اور اس کو جماعت کی فضیلت حاصل ہو جائے گی، اور اس پر الرملی الکبیر

کا فتوی ہے اور علامہ سبکی اور علامہ آسوی وغیرہما نے اس پر اعتماد ظاہر کیا ہے، شیخ خیر الدین نے فرمایا: حاصل کلام یہ ہے کہ ان کے نزدیک اس میں اختلاف ہے اور ہماری اقتداء کرنے میں ان کے پاس جو صحت وفساد اور فضیلت، ہر ایک کی علت موجود ہے، ہمارے پاس ان کے خلاف اس کی مثالیں موجود ہیں، میں نے اس کو بھی سنا جس پر رملی نے اعتماد ظاہر کیا ہے اور فتوی بھی دیا ہے، اور فقیر کا قول بھی اس مسئلہ میں جو حنفی کا شافعی کی اقتداء کرنے سے متعلق ہے، وہی ہے، جو رملی کا ہے، اور اسی کو منصف فقیہ نے تسلیم کیا ہے۔ شعر ؎

وَأنَا رَمْلِیٌّ فِقْہِ الْحَنَفِیِّ　　لَا مِرَاءَ بَعْدَ اِتِّفَاقِ الْعَالِمَیْنِ

''میں فقہ حنفی کا رملی ہوں (اور) دونوں عالموں کے اتفاق کے بعد کوئی جھگڑا نہیں'' اور وہ دونوں عالم رملی الحنفی اور رملی الشافعی ہیں، خلاصۂ کلام یہ ہے کہ فرائض میں رعایت کرنے والے کی اقتداء کرنا منفرد نماز پڑھنے سے افضل ہے، جب کہ اس کے علاوہ کوئی امام نہ ہو، ورنہ تو اپنے مسلک کے متبع امام کی اقتداء ہی افضل ہے۔

اگر مسجد میں متعدد جماعتیں ہوں تو حنفی شافعی کی اقتداء کرے

جب مسجد میں متعدد جماعتیں ہوتی ہوں اور حنفی مقتدی کی موجودگی میں شافعی جماعت پہلے ہو، تو حنفی مقتدی کو شافعی کی اقتداء کرنا افضل ہے، اور تاخیر کرنا مکروہ ہے، اس لیے کہ ایک مسجد میں ہمارے یہاں مکرر جماعت کرنا مکروہ ہے، مگر جب پہلی جماعت اس مسجد والوں کے علاوہ کی ہو یا مکروہ طریقہ پر جماعت ہوئی ہو، تو مکرر جماعت کرنے میں کوئی کراہت نہیں، اس لیے کہ حنفی شافعی کی نماز کے وقت یا تو سنتوں کے پڑھنے میں مشغول ہوگا تا کہ حنفی کا انتظار کرے اور یہ ممنوع ہے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب جماعت کھڑی ہو جائے تو فرض نماز کے علاوہ کوئی نماز نہیں (۱) یا پھر وہ بیٹھا رہے گا یہ بھی مکروہ ہے، کیونکہ یہ جماعت سے اعراض ہے، جب کہ ان کی جماعت قول مختار کے مطابق مکروہ نہیں ہے۔

(۱) مسلم شریف حدیث نمبر ۱۱۶۰/۱۱۶۱۔

اپنے اپنے امام کی اقتداء کرنا افضل ہے

اوراسی طرح ''حاشیۂ مدنی'' میں شیخ محمد اکرم اور خاتمۃ المحققین سید محمد امین میر پادشاہ اورشیخ اسماعیل شیروانی سے نقل کیا گیا ہے کہ ان تمام حضرات نے راجح قرار دیا ہے کہ پہلی جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا افضل ہے، وہ فرماتے ہیں کہ شیخ عبداللہ العفیف نے اپنے ''فتاوی العفیفیۃ'' میں شیخ عبدالرحمان المرشدی کے واسطے سے بیان کیا ہے کہ ہمارے شیخ، شیخ الاسلام مفتی بلد اللہ الحرام، شیخ علی بن جار اللہ بن ظہیرہ الحنفی، شوافع کی جماعت کے پہلے ہونے کی وجہ سے مستقل شوافع کے ساتھ نماز پڑھتے تھے اور میں ان کے ساتھ شوافع کی اقتداء کیا کرتا تھا، اور علامہ شیخ ابراہیم البیری نے واجبات وسنن میں شوافع کی رعایت نہ کرنے کی وجہ سے اقتداء کے مکروہ ہونے کی بنا پر ان سے اختلاف کیا ہے کہ تنہا نماز پڑھنا افضل ہے، اگر اپنا ہم مسلک امام نہ ملے، امام ابن الہمام کے شاگرد علامہ شیخ رحمۃ اللہ سندی نے بھی ان سے اختلاف کیا ہے اور فرمایا کہ ان کی اقتداء نہ کرنے میں احتیاط ہے، اگر چہ وہ رعایت کرنے والا ہی کیوں نہ ہو، اسی طرح علامہ ملا علی قاریؒ نے فرمایا کہ اگر ہر مذہب کا امام ہو جیسا کہ ہمارے اس زمانہ میں ہے، تو اپنے امام کی اقتداء کرنا افضل ہے، چاہے ان کی جماعت پہلے ہو یا بعد میں، عام مسلمانوں نے اس کو مستحسن سمجھا ہے اور اہل حرمین واہل قدس اور مصر وشام کے جمہور مسلمانوں نے اسی پر عمل کیا ہے، جو ان سے الگ ہوں ان کا اعتبار نہیں ہوگا۔

دوسرے مسلک کی اقتداء کے سلسلہ میں فقہاء کی آراء

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ میرا رجحان دوسرے مسلک کے امام کی اقتداء کے سلسلہ میں عدم کراہت کا ہے، جب تک کہ وہ فرائض میں رعایت کرنے والا ہو، اس لیے کہ بہت سے صحابہ کرام وتابعین، ائمہ مجتہدین تھے، جو اپنے مسالک کے اختلاف کے باوجود ایک امام کے پیچھے نماز پڑھتے تھے، اور اگر کوئی شخص صفوں سے دور ہو کر اپنے ہم مسلک امام کا انتظار کرتا ہے تو وہ جماعت سے اعراض کرنے والا نہ ہوگا، یہ معلوم ہونے کی وجہ سے کہ وہ اس جماعت سے

اکمل جماعت کا ارادہ رکھتا ہے۔(۱)

''کتاب الفقہ'' میں ہے کہ امامت کے صحیح ہونے کے شرائط میں سے یہ ہے کہ امام کی نماز مقتدی کے مسلک کے مطابق صحیح ہو، اگر حنفی نے ایسے شافعی امام کے پیچھے نماز پڑھی جس نے خون بہنے کے بعد وضو نہیں کیا تھا، یا شافعی نے ایسے حنفی امام کے پیچھے نماز پڑھی جس نے عورت کو چھوا تھا، تو دونوں صورتوں میں مقتدی کی نماز باطل ہوجائے گی، اس لیے کہ وہ اپنے امام کی نماز کے باطل ہونے کو دیکھ رہا ہے، اس مسئلہ میں شوافع واحناف کا اتفاق ہے؛ لیکن حنابلہ اور مالکیہ کا اس میں اختلاف ہے۔(۲)

شافعی امام کے پیچھے نماز پڑھنے کے سلسلے میں صاحب ''فتح القدیر'' نے لکھا ہے کہ جو امام قبلہ سے ہٹ جائے یا غیر سبیلین (پیشاب یا پائخانہ کے راستہ کے علاوہ) سے نکلنے والی نجاست کی وجہ سے وضو نہ کرے یا اس منی کو نہ دھوئے جو ایک درہم کی مقدار سے زیادہ ہو تو صحیح قول کے مطابق نماز نہیں ہوگی، اگر ایسا نہیں ہے تو نماز ہوجائے گی، لیکن ایک قول کے مطابق مکروہ ہوگی، اور اگر اس نے اجنبی عورت کو چھوا اور پھر وضو نہیں کیا تو صحیح قول کے مطابق اقتداء صحیح نہیں ہوگی، اس شخص کی طرح جو قبلہ میں تحری کے خلاف کرے۔(۳)

فرض پڑھنے والے کا نفل پڑھنے والے کی اقتداء کرنا

امامت کی شرطوں میں یہ بھی ہے کہ امام کی حالت مقتدی سے کمتر نہ ہو، چنانچہ فرض پڑھنے والے کا نفل پڑھنے والے کی اقتداء میں نماز پڑھنا صحیح نہیں، مگر امام شافعیؒ کے نزدیک صحیح ہے، ایسے ہی رکوع پر قادر شخص کا ایسے شخص کی اقتداء کرنا جائز نہیں جو رکوع کرنے پر قدرت نہ رکھتا ہو، اور نہ کپڑے پہنے ہوئے کا ایسے ننگے کی اقتداء کرنا جائز ہے، جس کو ستر پوشی کے لئے لباس میسر نہ ہو، اس میں احناف وحنابلہ کا اتفاق ہے اور شوافع و مالکیہ کا اختلاف ہے، اور پاک

(۱) ردالمحتار علی الدر المختار جلد اول ۳۷۹۔

(۲) کتاب الفقہ جلد ۱ رصفحہ ۳۶۶۔

(۳) فتح القدیر جلد ۱ رصفحہ ۳۰۵۔

شخص ایسے شخص کے پیچھے نماز نہیں پڑھے گا جو ناپاک ہو اور پاکی پر قدرت نہ رکھتا ہو، اس مسئلہ میں ائمہ ثلاثہ نے اتفاق کیا ہے اور مالکیہ نے اختلاف کیا ہے، اور ایسے ہی قاری کا ان پڑھ کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں، ہاں! کھڑا ہونے والا شخص اس بیٹھنے والے کی اقتداء کر سکتا ہے، جو رکوع وسجود پر قادر ہے، اور جو رکوع وسجود پر قدرت نہ رکھتا ہو تو کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والے کا اس کی اقتداء میں نماز درست نہیں ہے، جبکہ کھڑا ہونے والا رکوع وسجود پر قادر ہو؛ لیکن اگر امام ومقتدی دونوں رکوع وسجود پر قادر نہ ہوں اور دونوں اشارہ سے نماز ادا کرتے ہوں تو ایک کو دوسرے کی اقتداء کرنا درست ہوگا، خواہ دونوں بیٹھے ہوں یا لیٹے، یا دونوں چت لیٹے ہوئے ہوں یا ایک دوسرے کے برخلاف، بس شرط یہ ہے کہ امام کی حالت، مقتدی کی حالت سے زیادہ طاقتور ہو، جیسا کہ مقتدی چت لیٹا ہو اور امام بیٹھا ہو، تو ان صورتوں میں نماز پڑھنا صحیح ہوگا۔(۱)

مسبوق کی اقتداء کرنا درست نہیں

صحت امامت کے شرائط میں سے ایک یہ بھی ہے کہ امام دوسرے امام کا مقتدی نہ ہو، مثلاً ایک شخص نماز عصر میں امام مسجد کو اخیر کی دو رکعت میں پاتا ہے، پھر امام سلام پھیر دیتا ہے، اور وہ اپنی چھوٹی ہوئی رکعتوں کو پورا کرنے کیلئے کھڑا ہو جاتا ہے، اتنے میں دوسرا شخص آکر نماز عصر میں ہی نماز پوری کرنے والے آدمی کی اقتداء میں نماز پڑھنے کی نیت کر لیتا ہے تو کیا اس صورت میں مقتدی ثانی کی نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟۔

اسی طرح ایک شخص مسجد میں نمازیوں کے اژدحام کی وجہ سے صفوں کے آخر میں کھڑا ہو جاتا ہے، اور وہ امام کی حرکات نہیں دیکھتا اور نہ سنتا ہے، اور ان نمازیوں میں سے کسی کی اقتداء کر لیتا ہے جو امام کے پیچھے ہیں، تو کیا اس کا اقتداء کرنا درست ہوگا یا نہیں؟۔

فقہائے احناف کا کہنا ہے کہ مسبوق کی اقتداء کرنا صحیح نہیں، خواہ اس نے امام کے ساتھ ایک رکعت پائی ہو یا اس سے کم، ہاں! اگر دو شخصوں نے امام کی اقتداء کی ہے، اور دونوں مسبوق ہیں

(۱) کتاب الفقہ ج اول صفحہ ۳۷۱۔

اور امام کے سلام پھیرنے کے بعد کوئی ایک دوسرے کی اقتداء کرلیتا ہے، تو مقتدی کی نماز باطل ہو جائے گی، لیکن اگر ایک دوسرے کے تابع ہو گیا تاکہ یاد آتا رہے کہ کتنی رکعتیں چھوٹی ہیں اور یہ عمل (اتباع) بغیر نیت اقتداء کے ہو، تو امام سابق سے ارتباط کی وجہ سے ان دونوں کی نماز درست ہو جائے گی۔(۱)

امام اور مقتدی کی نماز کا متحد ہونا ضروری ہے

امامت کی شرائط میں سے یہ بھی ہے کہ امام اور مقتدی کی فرض نماز ایک ہی وقت کی ہو، چنانچہ ظہر کی نماز، عصر کی نماز پڑھنے والے کے پیچھے صحیح نہیں ہوگی اور نہ ظہر کی ادا پڑھنے والے کی ظہر کی قضا پڑھنے والے کے پیچھے ہوگی اور نہ اس کے برعکس، اسی طرح سنیچر کی ظہر پڑھنے والے کی اتوار کی ظہر پڑھنے والے کے پیچھے درست نہ ہوگی، اگر چہ دونوں میں سے ہر ایک کی نماز قضاء ہی کیوں نہ ہو، اس بات پر حنفیہ و مالکیہ کا اتفاق ہے۔

اسی طرح نذر ماننے والے کی اقتداء کرنا بھی صحیح نہ ہوگا، جس کی نذر امام کی نذر کے عین مطابق نہ ہو، ہاں! جب مقتدی کی نذر عین امام کی نذر کے مطابق ہوگی، مثلاً اس نے کہا کہ ''میں نے نذر مانی کہ میں ان دو رکعتوں کو پڑھ رہا ہوں جن کی نذر فلاں نے مانی ہے'' تو اقتداء کرنا صحیح ہوگا، ایسے ہی نذر ماننے والے کا قسم کھانے والے (حالف) کی اقتداء کرنا بھی صحیح نہ ہوگا، ہاں! حالف کا ناذر کی اور حالف کا حالف کی اقتداء کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، اسی طرح فقہاء کا کہنا ہے کہ وقت کے نکل جانے کے بعد چار رکعت والی نماز میں مسافر کا مقیم امام کی اقتداء کرنا جائز نہیں، کیونکہ وقت کے بعد مقتدی پر دو رکعت فرض ہوتی ہیں، تو مقتدی کا جلسۂ اولی فرض ہوگا اور مقیم امام کی چار رکعت فرض ہیں، اس لئے امام کا جلسۂ اولی اس کی بنسبت سنت ہوگا، تو اس طرح مفترض کا متنفل شخص کی اقتداء کرنا لازم آتا ہے، جو درست نہیں ہے۔(۱)

---

(۱) کتاب الفقہ جلد ۱ر صفحہ ۳۶۶۔

(۱) کتاب الفقہ جلد ۱ر صفحہ ۳۷۷ر۔

مقیم کا مسافر کی اقتداء کرنا درست ہے

مقیم کا مسافر امام کی اقتداء کرنا درست ہے، خواہ نماز کے وقت میں ہو یا وقت کے بعد، اس وجہ سے کہ مسافر کی نماز دونوں اوقات میں ایک ہی ہے، اور قعدہ فرض ہے اور مقتدی کا نفل، تو اس طرح ہر نماز میں متنفل مفترض کی اقتداء میں نماز پڑھتا ہے جو بالکل صحیح ہے، بس فرق یہ ہے کہ جب مسافر امام دو رکعت پڑھ کر سلام پھیرے گا تو مقتدی مقیم سلام نہیں پھیرے گا کیونکہ ابھی اسکے ذمہ آدھی نماز باقی ہے، اس کو پوری کرے گا، اگر مقیم مقتدی، مسافر امام کے ساتھ ہی سلام پھیر دیتا ہے، تو اس کی نماز نہ ہوگی، فاسد ہو جائیگی، لیکن مقتدی کو چاہئے کہ کھڑے ہو کر چار رکعت پوری کرے، اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے "أَتِمُّوا يَا أَهْلَ مَكَّةَ فَإِنَّا قَوْمٌ سَفَرٌ"(۱) اے مکہ والو! اپنی نماز پوری کرلو، ہم لوگ مسافر ہیں۔

مسافر امام اپنے مقیم مقتدیوں کو اطلاع کر دے

مسافر امام کو چاہئے کہ سلام پھیرنے کے بعد اپنے مقیم مقتدیوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کرتے ہوئے کہہ دے کہ اپنی نماز پوری کرلو میں تو مسافر شخص ہوں، جب مقتدی مدرک ہو تو اس کی بقیہ نماز میں اس پر قرأت ضروری نہیں؛ کیونکہ اس کے ذمہ آخری شفع ہے، ہمارے بعض مشائخ اس پر قرأت واجب کہتے ہیں، چونکہ انہوں نے فرمایا کہ اگر سہو ہو جائے تو سجدۂ سہو لازم ہوتا ہے اور اس سے استدلال کرنا اس کے برعکس اولی ہے، اس لئے جب منفرد پر سہو کے سلسلہ میں سجدہ سہو لازم ہوا تو قرأت بھی اس پر ضروری ہوگی، حالانکہ آخری شفع میں منفرد پر قرأت ضروری نہیں، پھر امام کے سلام پھیر دینے کے بعد مقیم لوگ فرداً فرداً نماز پڑھیں گے، اور اگر بعض بعض کی اقتداء کرنے لگ جائے تو ان میں سے امام کی نماز تو مکمل ہو جائے گی، اور مقتدیوں کی نماز فاسد ہو جائے گی، اس لیے کہ انہوں نے ایسی جگہ اقتداء کی جہاں ان پر انفرادیت ضروری تھی، اگر مقیم اپنی نماز پوری کرنے کے لیے کھڑا ہو گیا پھر امام نے

---

(۲) ابوداؤد برقم ۱۲۲۹ رترمذی برقم ۵۴۵۔

سلام پھیر دینے سے پہلے اقامت کی نیت کر لی، تو دیکھا جائے گا کہ اگر مقیم نے رکعت کا سجدہ نہیں کیا تو وہ اس کو چھوڑ دے اور اپنے امام کی اتباع کرے، حتی کہ اگر اس نے نہیں چھوڑا اور سجدہ کر لیا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی، اس لیے کہ اس کی نماز امام کی اتباع میں چار رکعت ہو جائے گی، اس لیے جب تک اس نے سجدہ کے ساتھ رکعت کو مقید نہیں کیا، اس وقت تک وہ امام کی نماز سے نہیں نکلے گا، اس کو قیام و رکوع سے مقید نہیں کریں گے، اس لیے کہ یہ نفل کے طریقہ پر ہے، فرض کے قائم مقام نہیں ہوگا، اور اگر اس نے اپنی رکعت کو سجدہ سے مقید کر دیا، پھر امام نے اقامت کی نیت کی تو مقتدی اپنی نماز پوری کر لے اور وہ امام کی اتباع نہ کرے، اگر اس نے اس کو ترک کر دیا اور امام کی اتباع کر لی تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی، اس لیے کہ اس نے اقتداء ایسی جگہ کی جہاں اس پر منفرد ہونا ضروری تھا۔ واللہ اعلم

وقت کے اندر مسافر کا مقیم کی اقتداء کرنا درست ہے

اسی طرح جب مسافر وقت کے اندر مقیم کی اقتداء کرے، پھر نماز سے فارغ ہونے سے پہلے ہی وقت نکل جائے، تو اس کی نماز فاسد نہ ہوگی، اور نہ اس کی اقتداء باطل ہوگی، اگر چہ مسافر کا خارج وقت میں ابتداءً مقیم کی اقتداء کرنا صحیح نہیں، لیکن جب اس کی اقتداء کرنا صحیح ہے اور وہ اس کا تابع ہو گیا تو اس کا حکم مقیمین کے حکم جیسا ہو گیا، اور مسافر کے ذمہ خارج وقت میں دو رکعت ہی ضروری ہوتی ہیں اور یہ مقیم ہو گیا ہے اور مقیم کی نماز خروج وقت سے دو رکعت نہیں ہوگی، جس طرح کہ وہ اقامت کی صراحتاً نیت کر کے مقیم ہو جائے۔

اور اگر وہ امام کے پیچھے سو گیا یہاں تک کہ وقت نکل گیا، اس کے بعد بیدار ہوا تو اس وقت وہ چار رکعت پوری کرے گا، اس لیے کہ مدرک سو کر چھٹی ہوئی نماز ایسے ہی پڑھتا ہے گویا کہ وہ امام کے پیچھے ہے، اور اس کا فرض اتباع کی وجہ سے چار رکعت میں بدل گیا اور اتباع وقت نکلنے پر بھی باقی رہتی ہے، اس لئے کہ وہ اس کا مقتدی رہے گا، اگر مسافر وقت نکلنے کے بعد یا پہلے بات چیت کر لے تو ہمارے نزدیک دو رکعت پڑھے گا، امام شافعی کا اس

میں اختلاف ہے۔(۱)

اور اگر کسی مسافر امام نے وقت کے اندر مقیم ومسافر لوگوں کی امامت کی، پھر اس کو حدث لاحق ہوگیا اور اس نے مقیم لوگوں میں سے کسی کو امام بنادیا تو اس کا خلیفہ بنانا صحیح ہے، اس لیے کہ وہ امام کی نماز پوری کرانے پر قادر ہے، اتنا ضرور ہے کہ مسافروں کی نماز ہمارے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک چار رکعت نہ ہوگی، اور امام زفر علیہ الرحمہ کے نزدیک مسافروں کا فرض چار رکعت میں تبدیل ہوجائے گا، کیونکہ وہ مقیم امام کے مقتدی ہوگئے، یہاں تک کہ ان کی نماز کی خرابی ودرستگی کا تعلق بھی اسی مقیم امام سے ہوگیا، اور جب مسافر مقیم کی اقتداء کرے تو اس کی نماز چار رکعت ہوجاتی ہے جیسا کہ اس نے ابتداً اس کی اقتداء کی۔

اس لئے کہ اگر ان کی فرض نماز چار رکعت میں تبدیل نہ ہوتو مسافروں کا مقیم کی اقتداء کرنا جائز نہ ہوگا، کیونکہ قعدۂ اولی امام کے لیے نفل ہے اور مسافروں کے حق میں فرض ہے، تو اس طرح قعدہ کے حق میں مفترض کا متنفل کی اقتداء کرنا لازم آئیگا، یہی وجہ ہے کہ خارج وقت میں مسافر کا مقیم کی اقتداء کرنا جائز نہیں۔

احناف کے ائمہ ثلاثہ کی دلیل یہ ہے کہ مقیم نیابت کے طور پر ضرورۃً امام ہوگیا کیونکہ اصل امام خود نماز پوری کرانے سے عاجز ہوگیا، تو وہ نائب نماز کی بقیہ مقدار میں امام کا قائم مقام ہوجائے گا، جب کہ نائب اصل کی طرح کام کرتا ہے، تو گویا وہ اصل ہی ہے، تو اس طرح وہ لوگ معنوی طور پر مسافر کے مقتدی ہوگئے، اسی بنا پر ان کی نماز چار رکعت نہیں ہوگی اور قعدۂ اولی اس امام پر فرض ہوگا، اس لیے کہ وہ مسافر امام کا قائم مقام ہوکر اس کی نماز پوری کرانے والا ہے، ایسے ہی اگر مسافر کو آگے بڑھایا گیا، پھر اس نے اقامت کی نیت کرلی تو مسافروں کا فرض نہیں بدلے گا، جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا۔

جب مسافر کا قائم مقام امام بنانا صحیح ہے، تو اس کو اصل مسافر امام کی نماز پوری کرانا چاہیے اور وہ دو رکعت ہیں، وہ تشہد کے بقدر بیٹھے اور خود سلام نہ پھیرے، اس لیے کہ مقیم ہونے کی وجہ

(۱) الأم جلد ۱/صفحہ ۱۸۲۔ الوجیز جلد ۱/صفحہ ۵۸۔

سے اس کے ذمہ ابھی آدھی نماز باقی ہے، اگر اس نے سلام پھیر دیا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی، اس لیے وہ مسافروں میں سے کسی کو اپنا نائب مقرر کر دے جو ان کو سلام پھیرائے، پھر وہ مقیم امام خود اور دوسرے مقیم کھڑے ہو جائیں اور فرداً فرداً اپنی بقیہ نماز پڑھیں، اس لیے کہ وہ لاحقین کے درجہ میں ہیں۔

اور اگر مقتدیوں میں سے بعض نے بعض کی اقتداء کی تو ان میں سے امام کی نماز تو پوری ہو گی کیونکہ وہ ہر حال میں منفرد ہو گا، اور مقتدیوں کی نماز فاسد ہو جائیگی، اس لیے کہ انہوں نے وہ کام چھوڑا جو ان پر فرض تھا، یعنی انہیں اس حال میں تنہا رہنا تھا، اور اگر کسی مسافر امام نے وقت کے اندر مسافروں کو ایک رکعت نماز پڑھائی پھر اقامت کی نیت کر لی تو ان کو چار رکعت نماز پڑھائے گا، اس لیے کہ یہاں تو امام اصل ہے اور اس کی نماز اقامت کی نیت کی وجہ سے تبدیل ہو گئی تو لوگوں کی نماز اتباع کی بنا پر تبدیل ہو جائے گی، بخلاف فصل اول کے کیونکہ وہاں وہ پہلے امام کا نائب ہے، اور اس کی نماز کو پورا کرنے والا ہے۔

اگر کسی مسافر نے مسافر و مقیم لوگوں کی امامت کی، پھر جب دو رکعت ہو گئی اور تشہد پڑھ لیا تو امام کے سلام پھیرنے سے پہلے پیچھے مسافروں میں سے کسی نے بات کر لی، یا وہ کھڑا ہو کر چلا گیا پھر امام نے اقامت کی نیت کر لی تو امام اور اس کے پیچھے بات نہ کرنے والے مسافروں کا فرض محل میں نیت پائے جانے کی وجہ سے چار رکعت میں بدل جائے گا، اور بات کرنے والے شخص کی نماز پوری ہو گئی، اس لیے کہ اس نے ایسے وقت میں بات کی ہے کہ اگر اس کے امام نے اس میں بات کی ہوتی تو اس کی نماز فاسد نہ ہوتی، بالکل اسی پر قیاس کرتے ہوئے مقتدی کی نماز کا حکم ہے، لیکن اگر اس نے امام کی نیت اقامت کے بعد بات کی تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی، اس لیے کہ اس کی نماز امام کی وجہ سے چار رکعت ہو گئی، لہٰذا اس کا بات کرنا نماز کے درمیان پایا گیا، جس کی وجہ سے اس کی نماز کا فاسد ہونا لازم آیا؛ لیکن اس پر مسافروں کی نماز ہمارے نزدیک دو رکعت ہی ہو گی، اس

لیے کہ وہ تبعاً مقیم ہو گیا ہے، اور نماز فاسد ہو جانے سے تبعیت ختم ہو گئی، چنانچہ اس کے حق میں مسافروں کا حکم ہو گا۔(۱)

محدث اور جنبی کی اقتداء درست نہیں

محدث یا جنبی کی اقتداء کرنا بالا جماع صحیح نہیں، جب کہ وہ حدث و جنابت سے واقف ہو، اگر واقف نہیں تھا پھر بعد میں معلوم ہوا، تو ہمارے نزدیک اقتداء درست نہیں ہو گی، امام شافعی نے فرمایا کہ قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ جیسے کافر کی اقتداء درست نہیں ہے، اسی طرح محدث یا جنبی کی اقتداء بھی درست نہ ہو؛ لیکن میں نے حدیث نبوی کی وجہ سے قیاس کو ترک کر دیا ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو شخص لوگوں کو نماز پڑھائے، پھر اس کو جنابت یاد آ جائے تو وہ اعادہ کرے اور لوگ اعادہ نہ کریں''۔(۲)

مقتدیوں کو نماز دہرانے کا حکم

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو نماز پڑھائی، پھر آپ کو جنابت یاد آئی تو آپ نے خود بھی اعادہ کیا اور صحابہ کرام کو بھی اعادہ کا حکم فرمایا، تو انہوں نے بھی اعادہ کیا اور آپ نے فرمایا ''جو شخص لوگوں کو نماز پڑھائے پھر اس کو جنابت یاد آ جائے، تو وہ خود بھی اعادہ کرے اور لوگ بھی اعادہ کریں''۔(۳)

اسی طرح کی حدیث حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما سے بھی منقول ہے حتی کہ امام ابو یوسفؒ نے ''الامالی'' میں ذکر کیا ہے کہ حضرت علیؓ نے ایک روز اپنے اصحاب کو نماز پڑھائی پھر انہیں معلوم ہوا کہ وہ حالت جنابت میں تھے، تو مؤذن کو اعلان کرنے کا حکم دیا کہ لوگوں کو باخبر کر دو کہ اے لوگو! سن لو! امیر المؤمنین جنبی تھے، تو تم اپنی نمازیں دہرالو۔(۴)

---

(۱) بدائع الصنائع جلد اول صفحہ ۲۷۹۔

(۲) دارقطنی ۱/۳۶۴ و کتاب الام ۱/۱۶۷۔

(۳) دارقطنی ۱/۳۶۴۔

(۴) دارقطنی ۱/۳۶۴۔

اور ایسا اس لیے بھی ہے کہ یہاں پر اقتداء کے معنی بناء کے ہیں، اور بناء کا تحقق حدث اور جنابت کے ساتھ تحریمہ کا تصور معدوم ہونے کی وجہ سے نہ ہوگا، اور جوانہوں نے بیان کیا، وہ لوگوں کی نماز کا امام کی نماز سے متعلق ہونے سے پہلے پر محمول کیا جائے گا جیسا کہ مروی ہے کہ مسبوق شخص جب امام کی نماز شروع کرتا ہے تو اپنی چھوٹی ہوئی نماز اولاً قضا کرے گا، پھر امام کی متابعت کریگا، جس طرح حضرت عبداللہ بن مسعودؓ یا حضرت معاذ بن جبلؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی تھی، پھر فوت شدہ نماز کی قضا کی، لہٰذا یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر کی وجہ سے شریعت بن گیا۔(۱)

برہنہ شخص کا برہنہ شخص کی اقتداء جائز ہے

کپڑے پہنے ہوئے شخص کی اقتداء، برہنہ شخص کے لیے جائز ہے، کیونکہ جس حالت پر امام کا تحریمہ منعقد ہوا ہے اسی حال پر مقتدی بناء کررہا ہے اور اس لیے کہ جو امام کررہا ہے وہی مقتدی بھی انجام دے رہا ہے، بلکہ زیادہ ہی کررہا ہے تو یہ بنا قبول کی جائے گی، اسی طرح برہنہ کا برہنہ کی اقتداء کرنا جائز ہے، کیونکہ دونوں کی حالت برابر ہے اور تحریمہ میں مشارکت کا بھی تحقق ہوگیا ہے، مگر برہنہ حضرات بیٹھ کر اشارہ کے ساتھ نماز ادا کریں گے، حضرت بشرؒ فرماتے ہیں کہ برہنہ لوگ کھڑے ہوکر رکوع وسجود کے ساتھ نماز پڑھیں گے اور یہی امام شافعی کا قول ہے۔(۲)

جن ارکان کے ادا کرنے پر قادر ہو تو ادا کرنا لازمی ہے

ان دونوں حضرات کی وجہ ترجیح یہ ہے کہ برہنہ حضرات کپڑے کی عدم موجودگی میں ستر عورت کی شرط پوری کرنے سے قاصر اور عاجز ہیں اور اس کے علاوہ بقیہ ارکان صلاۃ ادا کرنے پر قادر ہیں، لہٰذا جن پر وہ قادر ہیں ان ارکان کا ادا کرنا ان پر لازم اور ضروری ہوگا اور جن

---

(۱) بدائع الصنائع جلد اول صفحہ ۳۵۳۔

(۲) الام ۱/۱۶۱۔

ارکان کی ادائیگی سے عاجز ہیں وہ ان کے ذمہ سے ساقط ہو جائیں گے، اس لیے کہ اگر وہ لوگ نماز بیٹھ کر ادا کریں تو بہت سے ارکان وفرائض ترک کرنے والے ہوں گے، جیسے قیام، رکوع اور سجود اور اگر وہ لوگ کھڑے ہو کر نماز ادا کریں تو صرف ایک فرض چھوڑنا لازم آئے گا اور وہ ستر عورت ہے، لہٰذا یہ صورت اولی ہوگی، اور استدلال اس حدیث سے کرتے ہیں جس کو روایت کیا ہے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ارشاد فرمایا کہ کھڑے ہو کر نماز پڑھو، اگر کھڑے ہونے کی استطاعت نہ ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھو، اگر اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو پہلو پر لیٹ کر نماز ادا کرو۔(۱)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قیام کی استطاعت کی صورت میں بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز نہیں، ہماری دلیل حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی یہ روایت ہے کہ ایک مرتبہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم سمندر کا سفر کر رہے تھے کہ اچانک ان کی کشتی ٹوٹ گئی تو لوگ برہنہ باہر آئے اور ان لوگوں نے بیٹھ کر اشارہ کے ساتھ نماز ادا کی۔(۲)

برہنہ شخص کا بیٹھ کر نماز پڑھنا بہتر ہے

حضرت ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ عنہم کی روایت ہے کہ وہ دونوں فرماتے ہیں، برہنہ شخص بیٹھ کر اشارہ کے ساتھ نماز ادا کرے گا(۳) جس کا مطلب یہ ہے کہ بیٹھ کر نماز پڑھنا دو وجہ سے راجح ہے۔

پہلی وجہ یہ ہے کہ اگر وہ بیٹھ کر نماز ادا کرتا ہے، تو صرف ستر عورت کی فرضیت کو چھوڑتا ہے اور دوسرا کوئی فرض اصل میں نہیں چھوڑتا، اس لیے کہ وہ رکوع وسجود کو اشارے سے ادا کر رہا ہے، اور قیام کے فرض کو قعود کے ذریعہ پورا کرتا ہے، جو اس کا بدل ہے، تو گویا کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے میں دونوں فرضوں کی رعایت ہو جاتی ہے، اس لیے بیٹھ کر نماز پڑھنا زیادہ بہتر ہے۔

(۱) بخاری شریف ۱۰۵۰۔

(۲) نصب الرایہ ۱/۳۰۱۔

(۳) مصنف عبدالرزاق جلد ۲ / صفحہ ۵۸۳/۵۸۴۔

دوسری وجہ ترجیح یہ ہے کہ ستر عورت نماز کے تمام رکنوں میں سے سب سے اہم رکن ہے، اس کی دو وجہیں ہیں، ایک تو اس لیے کہ ستر عورت نماز اور نماز سے باہر دونوں جگہوں میں فرض ہے اور بقیہ نماز کے ارکان ایسے نہیں ہیں بلکہ وہ صرف نماز ہی تک محدود ہیں، دوسری وجہ یہ کہ ان ارکان کا نوافل میں بغیر کسی عذر اور ضرورت کے اشارہ سے بھی پورا کرنا جائز ہے، جیسا کہ نفل پڑھنے والے کا سواری پر نفل نماز پڑھنا اشارہ سے جائز ہے، لیکن ستر عورت کی فرضیت بغیر کسی ضرورت کے کبھی بھی ساقط نہیں ہوتی، اس لئے کہ ستر عورت ایک اہم فرض ہے، جس کی رعایت کرنا از حد ضروری ہے، انہیں وجوہات کی بنیاد پر ہم نے بیٹھ کر اشارہ کے ساتھ نماز پڑھنا اولی اور بہتر قرار دیا ہے، باوجود اس کے اگر وہ کھڑے ہو کر رکوع اور سجود کے ساتھ نماز پڑھتا ہے، تب بھی فرض ادا ہو جائے گا، اس لیے کہ اگر چہ اس نے ایک دوسرے فرض کو ترک کیا لیکن بقیہ تینوں ارکان (قیام، رکوع اور سجود) تو مکمل ہو گئے۔

ان ارکان کو مکمل کرنے کی ضرورت بھی تھی تو وہ ستر عورت کے فرض کو اصلاً ایک صحیح مقصد سے ترک کرنے والا ہے، لیکن اس کے باوجود کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کو اصل ضرورت کے پائے جانے اور مقصد کے پورا کرنے اور تمام فرض کی رعایت ہونے کی وجہ سے جائز قرار دیا ہے، اور ہم نے بیٹھ کر اشارہ کیساتھ نماز پڑھنے کو اولی اور بہتر قرار دیا ہے، اس لیے کہ وہ ایک اہم فرض ہے، اور دونوں فرضوں کی رعایت من وجہ اہم ہے۔

ان تمام تصریحات سے یہ نتیجہ سامنے آیا کہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ والی حدیث سے استدلال کرنا درست نہیں ہے کیونکہ اس کا تعلق استطاعت سے ہے اور یہاں حکماً اس کو استطاعت ہی نہیں کیونکہ اس پر ستر عورت فرض ہے۔

برہنہ لوگوں کا الگ الگ نماز پڑھنا بہتر ہے

اور اگر برہنہ حضرات ایک جماعت ہوں، تو بہتر اور مناسب یہ ہے کہ وہ تنہا تنہا نماز پڑھیں کیونکہ اگر وہ جماعت کے ساتھ نماز قائم کریں گے تو اگر دوسرے کے ستر عورت کے

دیکھنے سے بچتے ہوئے امام ان کے درمیان میں کھڑا ہوگا، تو ایسی صورت میں جماعت میں امام آگے ہونے کی سنت کا تارک ہوگا اور جماعت کرنا ایک امر مسنون ہے تو جب امر مسنون کا ادا کرنا کسی بدعت یا دوسری سنت کے ترک کا ارتکاب کیے بغیر ممکن نہ ہو سکے تو ایسی صورت میں اس کا پورا کرنا مستحب نہیں بلکہ مکروہ ہے، اور اگر امام ان سے آگے بڑھ جائے اور ان کو نیچی نگاہ رکھنے کا حکم دے، جیسا کہ حضرت حسن بصری علیہ الرحمہ کا خیال ہے، پھر بھی وہ لوگ منکر میں پڑنے سے محفوظ نہ رہ سکیں گے، اس لیے کہ غض بصر کا ایسی شکل میں ہونا کہ امام کے ستر پر نگاہ نہ پڑے، اس کا امکان کم ہے، باوجود اس کے کہ نگاہ کو نیچی رکھنا نماز میں مکروہ بھی ہے، صاحب قدوریؒ نے اس کی وضاحت کی ہے کہ مقتدی ہر حال میں مخصوص جگہ کے دیکھنے پر مامور ہے تا کہ ان عبادات کے ادا کرنے میں جس طرح تمام اعضاء شریک ہیں، نگاہ بھی شریک ہو جائے، اور غض بصر میں یہ فوت ہو رہا ہے، تو معلوم ہوا کہ جماعت کا حصول امر مکروہ کا ارتکاب کئے بغیر ممکن نہیں، لہٰذا جماعت ان سے ساقط ہو جائے گی۔

اس کے باوجود اگر یہ لوگ جماعت کے ساتھ نماز پڑھیں تو بہتر طریقہ ان کے امام کے لیے یہ ہے کہ وہ ان کے بیچ میں کھڑا ہو، تا کہ ان کی نگاہیں امام کے ستر پر نہ پڑیں، اگر امام ان سے آگے بڑھ جائے تو یہ بھی جائز ہے، اس جگہ ان کا حال نماز میں عورتوں کی طرح ہوگا، لیکن عورتوں کے لیے بہتر یہ ہے کہ وہ فرداً فرداً نماز پڑھیں، اور اگر جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا چاہیں تو ان کا امام ان کے درمیان کھڑی ہو، اور اگر ان کے آگے بڑھ جائے تو بھی جائز ہے، اسی طرح برہنہ لوگوں کا حال ہے۔(۱)

مسح کرنیوالے کا، مسح کرنیوالے کی اقتداء کرنا جائز ہے

وضو میں پیر دھونے والے کا خفین پر مسح کرنے والے کی اقتداء کرنا جائز ہے، کیونکہ خفین پر مسح، غسل کا بدل ہے، اور کسی چیز کا بدل عاجزی اور دشواری کے وقت اصل کا قائم مقام ہوتا

---

(۱) بدائع الصنائع جلد اول رصفحہ ۳۵۵۔

ہے، تو مسح کرنا حدث کے وقت دونوں پیروں کے دھونے کی دشواری کی وجہ سے پاک کرنے کے حق میں دھونے کے قائم مقام ہے، خصوصاً مسافر کے حق میں، تو گویا امام کا تحریمہ پیروں کو دھونے والے کیساتھ منعقد ہوا، جو دھونے کا بدل ہے، تو مقتدی کے تحریمہ کی بناء امام کے تحریمہ پر کرنا درست ہو گیا، اور اس لیے بھی کہ قدم کی طہارت سابق دھونے ہی سے حاصل ہو گئی تھی اور خف پیروں تک حدث کے سرایت کرنے میں مانع ہے تو گویا کہ (غاسل) پیروں کو دھونے والے نے پیروں کے دھونے والے کی اقتداء کی تو یہ درست ہے، اور ایسے ہی غاسل کا پٹیوں پر مسح کرنے والے کی اقتداء کرنا جائز ہے، کیونکہ وہ مسح کا بدل اور اس کا قائم مقام ہے تو اس میں اقتداء کا مفہوم متحقق ہے، اور وضو کرنے والے کا تیمّم کرنے والے کی اقتداء کرنا، امام ابوحنیفہ و امام ابو یوسف کے نزدیک جائز ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک جائز نہیں۔(۱)

کھڑے ہونیوالے کا، بیٹھنے والے کی اقتداء کرنا جائز ہے

کھڑے ہو کر رکوع اور سجدہ کے ساتھ نماز پڑھنے والے کا بیٹھ کر رکوع اور سجدہ کیساتھ نماز پڑھنے والے کی اقتداء کرنا استحساناً جائز ہے، اور یہ امام ابوحنیفہؒ و امام ابو یوسفؒ کا قول ہے، اور قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ جائز نہیں ہے اور یہ امام محمد کا قول ہے، اور اسی اختلاف پر کھڑے ہو کر اشارہ کے ساتھ نماز پڑھنے والے کا، بیٹھ کر اشارہ کے ساتھ نماز پڑھنے والے کی اقتداء کرنے کا مسئلہ ہے، قیاس کی وجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ میرے بعد کوئی بھی شخص بیٹھ کر ہرگز امامت نہ کرے (۲) (یعنی کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والوں کی) اس پر ہمارا اجماع ہے کہ اگر وہ بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کی امامت کرتا ہے تو اس کی امامت جائز ہے، اور اس لیے کہ مقتدی کی حالت امام کی حالت سے اعلی اور ارفع ہے اور اعلی کا اسفل کی اقتداء کرنا جائز نہیں ہے، جس طرح رکوع و سجدہ کے ساتھ نماز پڑھنے والے کا اشارہ سے

---

(۱) بدائع الصنائع جلد اول رصفحہ ۳۵۵۔

(۲) دار قطنی جلد ارصفحہ ۳۹۸۔

نماز پڑھنے والے کی اور قاری کا ان پڑھ کی اقتداء کرنا جائز نہیں ہے اور جو ہم نے بیان کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ مقتدی اپنے تحریمہ کی بناء امام کے تحریمہ پر کرتا ہے اور امام کا تحریمہ بیٹھ کر ہوا ہے کھڑے ہو کر نہیں ہوا ہے، لہٰذا کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والے کا اس تحریمہ پر بناء کرنا ممکن ہی نہیں، جس طرح امی کے اور اشارہ کے ساتھ نماز پڑھنے والے کے تحریمہ پر قراءت کرنے والے اور رکوع اور سجدہ کر کے نماز پڑھنے والے کا بناء کرنا جائز نہیں۔

بیماری کی حالت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹھ کر نماز پڑھائی

وجہ استحسان یہ روایت ہے کہ "آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو آخری نماز پڑھائی وہ ایک کپڑے میں لپٹ کر بیٹھنے کی حالت میں پڑھائی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین آپ کے پیچھے کھڑے ہوئے آپ کی اقتداء کر رہے تھے" (۱) پھر جب آپ کا مرض بڑھ گیا اور آپ کمزور ہو گئے تو آپ نے فرمایا کہ ابوبکر کو حکم دو! کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہو کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نہایت رقیق القلب اور نرم دل شخص ہیں، جب وہ آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو وہ اپنے آپ کو قابو میں نہ رکھ سکیں گے، لہٰذا اگر آپ کسی دوسرے کو حکم صادر فرمادیں تو بہتر ہو، حضرت حفصہؓ نے یہ بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم سب حضرت یوسف علیہ السلام کی چندور غلانے والی عورتوں میں سے ہو، ابوبکر کو حکم دو! کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نماز شروع فرمائی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ افاقہ محسوس کیا تو آپ حضرت علی اور فضل بن عباس رضی اللہ عنہما کے سہارے باہر تشریف لائے، حالانکہ آپ کے قدم مبارک زمین پر لڑکھڑا رہے تھے، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں داخل ہو گئے، جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کا احساس ہوا، تو حضرت ابوبکر پیچھے ہٹ گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھے

(۱) مسند احمد جلد ۳ رصفحہ ۱۵۹/ طحاوی شریف جلد ا رصفحہ ۴۰۶۔

اور بیٹھ کر نماز پڑھانے لگے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ کی اقتداء کرنے لگے اور لوگ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اقتداء کررہے تھے، یعنی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکبیر سن کر تکبیر کہتے اور لوگ حضرت ابوبکر کی تکبیر پر تکبیر کہتے۔(۱)

اس آخری عمل سے ثابت ہوا کہ بیٹھے والے کا کھڑے ہونے والی کی امامت کرنا جائز ہے، جب تک نسخ ثابت نہ ہوجائے، کھڑے شخص کا بیٹھنے والے کی اقتداء کرنے کا جواز ثابت ہوگا، پھر جب نسخ کے ورود کا تو ہم ہی نہ ہو تو جواز اولی ہے، اور اس لیے بھی کہ بیٹھنا کھڑے ہونے کی بجائے جب ایک دوسرے کے قائم مقام ہوجائے تو وہ اس کا بدل ہوجائے گا جیسا کہ خف پر مسح کرنا دونوں پیروں کے دھونے کے ساتھ، اور ہم کہتے ہیں کہ یہ دونوں حکم اور حقیقت کی دلیل کی وجہ سے الگ الگ ہیں۔(۲)

---

(۱) بخاری باب الاذان حدیث نمبر ۶۸۷۔ (۲) بدائع الصنائع جلد ا رصفحہ ۲۵۶۔
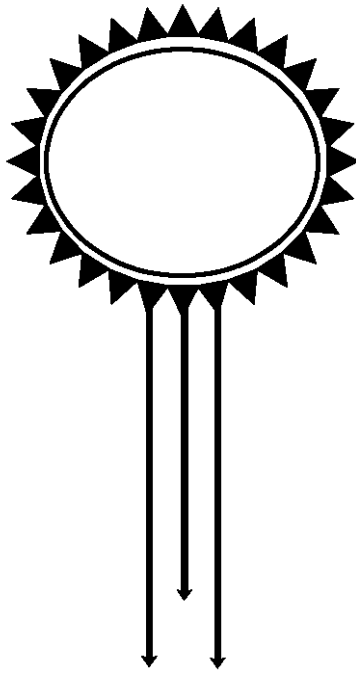
چھٹا باب

تنہا عورتوں کی جماعت
اور عورت و بچہ کی امامت

چھٹا باب

تنہا عورتوں کی جماعت اور عورت و بچہ کی امامت

تنہا عورتوں کی جماعت مکروہ ہے

تنہا عورتوں کی جماعت مکروہ ہے، اس لیے کہ وہ فعل حرام کے ارتکاب سے خالی نہیں، اور وہ امام کا درمیان صف میں کھڑا ہونا ہے، چنانچہ تنہا عورتوں کی جماعت اسی طرح مکروہ ہوگی جس طرح عریاں لوگوں کی جماعت، اس کے باوجود اگر عورتیں جماعت کریں تو امام صف کے درمیان میں کھڑی ہوگی، اس لیے کہ حضرت عائشہؓ سے اس موقع پر ایسا ہی ثابت ہے، حضرت عائشہؓ کے اس فعل کو ابتداء اسلام پر محمول کیا جائے گا اور اس لئے بھی کہ آگے بڑھنے میں بے پردگی بھی ہے۔

یہاں مکروہ سے مراد مکروہ تحریمی ہے

علامہ ابن ہمام ''فتح القدیر'' میں فرماتے ہیں کہ ''عورتوں کی جماعت سے فعل حرام کا ارتکاب لازم آتا ہے'' یہ صراحتاً اس بات کی دلیل ہے کہ مردوں کی جماعت میں امام کا ترک تقدم حرام ہے ''کافی'' میں اس کو مکروہ کہا ہے اور یہی درست بھی ہے، مراد اس سے کراہت تحریمی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ شارع علیہ السلام نے امامت کے وقت کبھی تقدم کو ترک نہیں فرمایا ہے، تقدم پر ہی پابندی فرمائی ہے، جو کہ وجوب کی متقاضی ہے، اور واجب کو ترک کرنا مکروہ تحریمی ہے، گویا صاحب ہدایہ نے مجازاً اس کو حرام کہا ہے، پس مذکورہ بالا ہدایہ کی عبارت ''تنہا عورتوں کی جماعت مکروہ ہے'' سے مراد بھی مکروہ تحریمی ہی ہوگا، کیونکہ جب کوئی فعل خاص وجود میں آئے تو اس کا حکم لازماً وجود میں آئے گا۔

تنہا عورتوں کی جماعت ننگے لوگوں کی طرح ہے

اسکے بعد صاحب ہدایہ نے عورتوں کی جماعت کو عریاں لوگوں کی جماعت سے تشبیہ دی ہے، اس تشبیہ کا تقاضا یہ ہے کہ مشبہ بہ بھی مکروہ ہے کیونکہ وجہ تشبیہ دونوں میں دو چیزوں میں سے کوئی ایک ضرور ہے، یا تو ترک تقدم جو کہ واجب ہے، یا پھر بے ستری جو عورت کی بے ستری سے بھی نسبتاً زیادہ ہے؛ کیونکہ جب عورت سر سے پیر تک پوری طرح کپڑوں میں ملبوس امامت کے لیے آگے بڑھتی ہے، تب بھی کراہت اس کے حق میں ثابت سمجھی جاتی ہے، جب کہ بظاہر کوئی بے ستری نہیں ہوتی، تو ایسے عریاں شخص کا کیا حال ہوگا جس کی بے ستری بالکل نگاہوں کے سامنے آجائے، یا ایسی بے ستری کی زیادتی جس کے بعض حصہ کو وہ چھپانے پر قادر ہے۔

پھر عورت کی مذکورہ بالا ستر پوشی کے ساتھ امامت کے لیے آگے بڑھنے کی کراہت کا ثبوت محض حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے فعل سے ملتا ہے، جب کہ انہوں نے درمیان صف ہی میں کھڑے ہو کر امامت فرمائی تھی، یقیناً انہوں نے واجب تقدم کو کسی ایسے امر کی وجہ سے ترک کیا جو اس سے زیادہ واجب تھا کہ تقدم کے نتیجہ میں ان کے نمایاں ہونے پر قدرے بے ستری ہو گی یا نمایاں ہونے میں مردوں سے مشابہت ہوگی، یا کوئی اور وجہ رہی ہوگی۔

عورتوں کا نماز جنازہ میں جماعت کرنا درست ہے

واضح رہے کہ نماز جنازہ میں عورتیں بلا کراہت جماعت کر سکتی ہیں، کیونکہ یہ ایک فرض ہے اور ترک تقدم محض مکروہ ہے، چنانچہ یہاں معاملہ کراہت کے ساتھ فرض کو بجالانے، یا ترک مکروہ کے ساتھ ترک فرض کے ارتکاب کا ہے، لہٰذا صورت اول یعنی کراہت کے ساتھ فرض کو بجالانا ہی واجب ہوگا، البتہ دوسری نمازوں میں عورتوں کی نماز مکروہ ہی رہے گی؛ کیونکہ نماز جنازہ میں اگر عورتیں تنہا نماز پڑھیں گی تو لازماً کوئی ایک سب سے پہلے فارغ ہو جائیگی (اور فرض کفایہ ادا ہو جائے گا) پھر بقیہ تمام عورتوں کی نماز نفل ہو جائے گی اور نفل یہاں پڑھنا مکروہ ہے تو ایک کا فارغ ہونا باقی عورتوں کی فرض نماز کو فاسد کرنے کا سبب ہوگا، جیسے قعدۂ اخیرہ

ترک کردینے والے کا پانچویں رکعت کو سجدے سے مقید کردینا، صاحب ہدایہ کا قول کہ ''اگر عورتیں جماعت کریں تو امام درمیان میں کھڑی ہوگی'' کیونکہ دو میں سے ایک فعل کا ارتکاب لازماً ہوگا، یا ترک تقدم یا بے ستری اور بے ستری کے مقابلہ میں ترک تقدم زیادہ آسان ہے، اگر تقدم ہی اختیار کرے تب بھی درست ہے، لیکن مذکورہ بالا تقریر کا مقتضی یہ ہے کہ اس صورت میں گناہ گار ہوگی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی امامت

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا فعل ابتداء اسلام پر محمول کیا جائے گا، سروجی فرماتے ہیں کہ صاحب ہدایہ کی یہ بات محل نظر ہے؛ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کے بعد مکرمہ میں ۱۳/سال قیام فرمایا، جیسا کہ حضرات شیخین امام بخاریؒ وامام مسلمؒ نے نقل کیا ہے، پھر حضرت عائشہؓ سے نکاح فرمایا اور مدینہ منورہ میں رخصتی ہوئی جب کہ اس وقت حضرت عائشہ کی عمر ۹/سال تھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں وہ ۹/سال تک رہیں۔(۱)

اور ظاہر ہے کہ انہوں نے امامت بلوغ کے بعد ہی فرمائی ہوگی، تو اس زمانے کی بات کو ابتداء اسلام پر کیسے محمول کیا جاسکتا ہے؟ لیکن ممکن ہے ابتداء اسلام سے مراد یہ منسوخ ہو اور حضرت عائشہؓ نے یہ فعل اس زمانے میں کیا ہو جب کہ عورتیں جماعت میں حاضر ہوا کرتی تھیں، لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کی شادی کے نقل میں کچھ خلل ہے، یعنی ابتداء اسلام سے مراد نسخ لینا؛ کیونکہ مستدرک حاکم میں روایت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اذان دیتیں اور اقامت کہلواتیں اور عورتوں کی امامت کرتی تھیں اور صف کے بیچ میں کھڑی ہوتی تھیں۔

امام محمدؒ کی ''کتاب الآثار'' میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رمضان کے مہینے میں عورتوں کی امامت کیا کرتی تھیں اور ان کے بیچ میں کھڑی ہوتی تھیں، یہ بھی معلوم شدہ حقیقت ہے کہ تراویح کی جماعت مستقل طور پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ہی ہوئی ہے۔

---

(۱) بخاری ۳۹۴۷/۶۱/۴۷، مسلم ۲۵۵۰۔

ام ورقہ کو اپنے گھر کے لوگوں کی امامت کا حکم

اس کے علاوہ ابو داؤد شریف میں ام ورقہ بنت عبداللہ بن حارث بن عمیر انصاریہؓ سے مروی ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو غزوۂ بدر پیش آیا تو ام ورقہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے گزارش کی کہ یا رسول اللہ! مجھے غزوہ میں اپنے ساتھ شرکت کی اجازت مرحمت فرمادیں، میں آپ کے زخمیوں کی تیمارداری کروں گی، ممکن ہے کہ اللہ تعالی مجھے شہادت مرحمت فرمادے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم اپنے گھر ہی پر رہو، اللہ تعالی تمہیں شہادت عطا فرمائیں گے، راوی کہتے ہیں کہ ان کو زندگی ہی میں لوگ شہیدہ کہہ کر پکارتے تھے، وہ قرآن پڑھی ہوئی تھیں۔

انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی کہ وہ گھر کے لئے ایک مؤذن مقرر فرمالیں، جوان کے لیے اذان کہہ دیا کرے، راوی کا بیان ہے کہ ام ورقہؓ نے ایک غلام اور ایک باندی کو مدبر بنایا ہوا تھا، یعنی ان سے یہ عہد کیا تھا کہ میرے مرنے کے بعد تم آزاد ہو، ایک رات یہ غلام اور باندی چپکے سے اٹھے اور ام ورقہؓ ہی کی چادر سے ان کا گلا گھونٹ کر ان کو مار ڈالا اور دونوں فرار ہوگئے، صبح کو جب خلیفۃ المسلمین حضرت عمر رضی اللہ عنہ لوگوں میں تشریف لائے تو اعلان فرمادیا کہ جس کو بھی ان دونوں کا علم ہو یا ان کو کہیں پر دیکھا ہو، وہ ان کو پکڑ لائے، چنانچہ ان کو پکڑ لیا گیا اور دونوں کو سولی دے دی گئی، مدینہ طیبہ میں یہ دونوں سب سے پہلے تختہ دار پر چڑھائے گئے، پھر امام ابوداؤد نے ولید بن جُمیع کے حوالے سے انہوں نے عبدالرحمٰن بن خلاد کے حوالے سے ام ورقہؓ سے نقل کیا ہے جس کے بعض الفاظ یہ ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ام ورقہؓ کے یہاں تشریف لے جایا کرتے تھے اور ان کے لیے ایک مؤذن بھی مقرر فرمادیا تھا اور ان کو حکم دیا تھا کہ اپنے گھر کے افراد کی امامت کیا کریں، راوی عبدالرحمٰن بیان فرماتے ہیں کہ میں نے ام ورقہؓ کے مؤذن کو دیکھا، بہت ہی بوڑھے تھے (۱) مذکورہ بالا تمام روایات نسخ کے ثبوت کی نفی کرتی ہیں۔

---

(۱) ابوداؤد حدیث نمبر ۵۰۰۔

ام ورقہ کو اجازت منسوخ ہونے سے پہلے کی ہے

مذکورہ بالا آخری حدیث کے دونوں راویوں ولید بن جمیع اور عبدالرحمان بن خلاد کے بارے میں یحییٰ بن قطانؒ فرماتے ہیں کہ یہ دونوں مجہول ہیں، حالانکہ ابن حبان نے ان دونوں کو ثقات میں ذکر کیا ہے، ایک جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ مذکورہ بالا عورتوں کی امامت پر مداومت سے مراد منسوخ ہونے سے پہلے ہے، نیز ابراہیم نخعیؒ کی روایت کہ حضرت عائشہؓ رمضان میں عورتوں کی امامت کیا کرتی تھیں، ضروری نہیں کہ تراویح کی امامت کرتی ہونگی اور ابوداؤد کی یہ روایت کہ ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ام ورقہؓ کے لیے ایک مؤذن مقرر فرمایا تھا اور ان کو حکم دیا تھا کہ اپنے گھر کے افراد کی امامت کیا کریں'' اس سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ وہ مستقل نبی کریم صلی اللہ عیہ وسلم کی وفات تک امامت کرتی رہی ہونگی، اس کے علاوہ مصنف عبدالرزاق میں ایک روایت حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ: عورت ہی عورتوں کی امامت کریگی اور ان کے بیچ میں کھڑی ہوگی، حضرت ابن عباسؓ کا علم اس کا متقاضی نہیں کہ اب بھی عورتوں کی جماعت مشروع ہے، کیونکہ اس روایت کے الفاظ سے مراد عورتوں کی جماعت کر ہی لینے کی صورت میں امام کے کھڑے ہونے کی جگہ کا تعین بھی ہوسکتا ہے، اور یہ بھی امکان ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو ناسخ کا علم نہ ہوا ہو۔

عورتوں کی پسندیدہ نماز گھر کے اندرونی گوشہ کی ہے

اب بحث صرف اس پر رہ جاتی ہے کہ دعوی نسخ کے بعد ناسخ کا تعین ہو، کیونکہ دعوی کے بعد دلیل ناگزیر ہوتی ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ دلیل نسخ کے طور پر سوائے ابوداؤد اور صحیح ابن خزیمہ کی ایک روایت کے، کوئی دوسری روایت ثابت نہیں ہوسکی، روایت کے الفاظ یہ ہیں ''عورت کا اپنے گھر میں نماز پڑھنا بمقابلہ اپنی حویلی کے افضل ہے اور کوٹھری میں نماز پڑھنا بمقابلہ گھر کے زیادہ افضل ہے'' (۱) ابن خزیمہ نے روایت کیا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

(۱) ابوداؤد حدیث نمبر ۴۸۳۔

''اللہ تعالی کے یہاں عورت کی سب سے محبوب نماز وہ ہے جو گھر کے نہایت تاریک مقام پر پڑھی جائے'' ابن خزیمہ اور ابن حبان کی ایک روایت میں ہے ''ذات باری تعالی کو عورت کی سب سے زیادہ پسندیدہ نماز وہ ہے جب کہ وہ اپنے گھر کے بالکل اندرون تاریکی میں ہوتی ہے، ظاہر ہے کہ گھر کی کوٹھری میں جماعت ممکن نہیں، اسی طرح گھر کا بالکل اندرون اور انتہائی تاریک گوشہ میں جماعت کے لئے گنجائش نہیں ہوسکتی، اگر ان روایات کو دلیل نسخ تسلیم بھی کرلیا جائے تب بھی یہ محض سنت کے منسوخ ہونے کی دلیل بن سکتی ہے اور ترک سنت مکروہ تحریمی نہیں بلکہ تنزیہی ہے، اور مکروہ تنزیہی کا ارتکاب خلاف اولی ہوتا ہے اور ہم پر یہ ضروری نہیں کہ اس کو اختیار کریں، اصل مقصد اتباع حق ہے، وہ جہاں بھی ہو اتباع کی جائیگی۔(۱)

عورتوں کی جماعت بے ستری پر دلالت کرتی ہے

صاحب ''کفایہ'' ہدایہ کی اس عبارت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں ''صاحب ہدایہ کا یہ قول کہ تنہا عورتوں کی جماعت فعل حرام کے ارتکاب سے خالی نہیں ہے، فعل حرام سے مراد یا تو بے ستری ہے جس کی حرمت قرآن کی نص سے ظاہر ہے ارشاد باری ہے ''وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا'' (۲) (اور عورتیں اپنے مقامات زینت کو ظاہر نہ کریں سوائے ان مقامات کے جو ضرورۃً ظاہر ہوتے ہیں) یا پھر امام کا ترک قیام لازم آتا ہے، یہ بھی حرام ہے؛ کیونکہ یہ پورے طور پر ترک سنت ہے، اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور کسی صحابیؓ نے اس پر عمل نہیں کیا ہے۔

پھر صاحب ہدایہ کا قول ''عورتوں کے جماعت کرنے کی مثال عریاں لوگوں کی جماعت کی سی ہے'' شیخ الاسلامؒ فرماتے ہیں کہ اگر عریاں لوگوں پر مشتمل ایک جماعت ہو تو وہ لوگ تنہا اور بیٹھ کر نماز پڑھیں گے، افعال کو اشارہ سے ادا کریں گے، جماعت نہیں کریں گے، کیونکہ یہ لوگ فعل مکروہ کے بغیر جماعت قائم نہیں کرسکتے، اس لیے کہ اگر یہ جماعت کریں گے تو ان کا امام مجبور ہوگا کہ درمیان صف میں کھڑا ہو، تاکہ اس کے ستر عورت پر دوسروں کی نگاہ نہ پڑ سکے

(۱) فتح القدیر جلد ۱ رصفحہ ۳۰۷۔

(۲) النور آیت ۳۱۔

اور درمیانِ صف میں کھڑا ہونا مکروہ ہے، اور جماعت سنت ہے، لہٰذا ترک سنت کا ارتکاب مکروہ کے ارتکاب سے بہتر ہے، یہ احناف کا مسلک ہے، حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں یہ لوگ جماعت سے نماز ادا کریں گے، کیونکہ یہ امر مکروہ سے بچ سکتے ہیں کہ امام صف سے آگے کھڑا ہو اور بقیہ حضرات اپنی نگاہیں امام کے ستر سے نیچے رکھیں۔(۱)

عورتوں کو امامت کیلئے آگے بڑھانا جائز نہیں

مردوں کے لیے کسی عورت کی اقتداء جائز نہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ''تم عورتوں کو اس جگہ سے مؤخر کرو جہاں سے اللہ تعالی نے ان کو مؤخر کیا ہے''(۲) چنانچہ ان کو امامت کے لیے آگے بڑھانا جائز نہیں۔(۳)

کتاب الفقہ میں ہے کہ مقتدی مردوں کے لیے عورت اور ایسے مخنث (ہجڑے) کی امامت درست نہیں جس کی مرد یا عورت سے مشابہت کا پتہ چلنا مشکل ہو، البتہ عورت کی امامت عورت کے حق میں اور خنثیٰ مشکل (جس ہجڑے کے بارے میں یہ پتہ نہ چلے کہ یہ مرد سے مشابہ ہے یا عورت سے) کی امامت عورت کے حق میں باتفاق ائمہ ثلاثہ جائز ہے، مالکیہ کا اس میں اختلاف ہے۔(۴)

''الموسوعۃ الفقہیۃ'' میں ہے کہ مردوں کی امامت کے لیے شرط یہ ہے کہ امام مرد ہو، عورت کی امامت مردوں کے لیے درست نہیں، فقہاء کا اس پر اتفاق ہے، چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''تم عورتوں کو اس جگہ سے مؤخر کرو جہاں سے اللہ تعالی نے ان کو مؤخر کیا ہے(۵) عورتوں کو مؤخر کرنے کا حکم ان کی امامت کی ممانعت کی دلیل ہے، اس کے علاوہ حضرت جابرؓ سے ایک روایت مرفوعاً منقول ہے کہ ''کوئی عورت ہرگز کسی مرد کی امامت نہ کرے''(۶) نیز عورت کی امامت مردوں کے لیے باعث فتنہ بھی ہوگی۔

(۱) کفایۃ مع فتح القدیر جلد اول رصفحہ ۳۰۷۔ (۲) مصنف عبد الرزاق جلد ۳ رحدیث نمبر ۱۴۹۔

(۳) فتح القدیر صفحہ ۳۱۱۔ (۴) کتاب الفقہ جلد ا رصفحہ ۳۶۳۔

(۵) فتح الباری جلد ا رصفحہ ۴۰۰۔ (۶) ابن ماجہ جلد ا رحدیث نمبر ۳۴۳۔

عورتوں کی امامت عورتوں کے لئے

جہاں تک عورتوں کے لیے عورت کی امامت کا مسئلہ ہے تو جمہور فقہاء (حنفیہ، شوافع اور مالکیہ) اس کے جواز کے قائل ہیں، ان کی دلیل حضرت ام ورقہؓ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو گھر کی عوروں کی امامت کی اجازت مرحمت فرمائی تھی۔ (۱)

لیکن احناف عورت کی امامت کی کراہت کے قائل ہیں؛ کیونکہ اس سے ایک واجب یا کم از کم مستحب کا ترک لازم آتا ہے، جیسا کہ بیان کیا جاچکا ہے، چنانچہ عورت کے لیے اذان وامامت دونوں مکروہ ہیں، اور امام بننے کی صورت میں عورت کا آگے بڑھ کر کھڑا ہونا بھی مکروہ ہے، امامت کی صورت میں عورت درمیان صف میں کھڑی ہوگی۔ (۲)

مالکیہ کے یہاں عورت کی امامت عورتوں کے لیے بھی مطلقاً درست نہیں، خواہ نماز فرض ہو یا نفل، بالاتفاق مخنث کی امامت مردوں کے لیے یا خود اپنے جیسے مخنثوں کے لیے بھی درست نہیں ہے، کیونکہ اس میں یہ احتمال رہتا ہے کہ یہ مخنث عورت ہو اور اس کا مقتدی مرد ہو، البتہ خنثیٰ مشکل کی امامت عورتوں کے لیے کراہت کے ساتھ جائز ہے یا جمہور فقہاء کے یہاں بلا کراہت جائز ہے، مالکیہ کے یہاں یہ بھی اسی طرح جائز نہیں جیسا کہ عورتوں کی امامت عورتوں کے لیے مطلق جائز نہیں۔ (۳)

صاحب بدائع الصنائع رقم طراز ہیں: کہ مرد کے لیے عورت کی اقتداء صحیح نہیں ہے، کیونکہ عورت مردوں کے لیے امامت کی اہل نہیں، پس عورت کی نماز مرد کے حق میں معدوم ہوگی، لہٰذا اس کی اقتداء کے کوئی معنی نہ رہے اور وہی بنیاد ہے (جو معدوم ہوچکی) اسی طرح مرد کے لیے خنثیٰ مشکل کی اقتداء بھی جائز نہیں، کیونکہ ممکن ہے وہ عورت ہو، ہاں! عورت کی اقتداء عورت کے لیے صحیح ہے، کیونکہ دونوں کی حالت یکساں ہے، مگر ان کا تنہا نماز پڑھنا با جماعت

---

(۲) ابوداؤد جلد ۱ر حدیث نمبر ۳۹۷۔

(۳) جواہر الاکلیل جلد ۱ر صفحہ ۷۸۔

(۴) الموسوعۃ الفقہیہ جلد ۶ر صفحہ ۲۰۴ر۔

نماز پڑھنے سے افضل ہے، کیونکہ عورتوں کی جماعت منسوخ ہے۔

عورت کے لیے مرد کی اقتداء کرنا جائز ہے

عورت کا مرد کی اقتداء کرنا جائز ہے، جب کہ امام اس کی امامت کی نیت بھی کرے، امام زفرؒ کے نزدیک امامت کی نیت شرط نہیں، امام حسن بن زیادؒ حضرت امام اعظمؒ سے روایت کرتے ہیں کہ عورت اگر امام کے پیچھے نماز کے لیے کھڑی ہو جائے تو اس کی اقتداء صحیح ہو جائے گی، اگرچہ امام اس کی امامت کی نیت نہ کرے، پھر اگر عورت مرد کے پہلو میں کھڑی ہو جائے تو (بصورت عدم نیت) صرف عورت کی نماز فاسد ہوگی مرد کی نہیں، اور اگر مرد نے اس عورت کی امامت کی نیت کی تو مرد کی بھی نماز فاسد ہو جائے گی، یہ امام ابوحنیفہؒ کا قول قدیم ہے اور اس کی توجیہ یوں کی ہے کہ جب عورت مرد کے پیچھے نماز کیلئے کھڑی ہوئی تو اس کا قصد اداء نماز کا ہے، مرد کی نماز کو فاسد کرنے کا نہیں ہے، لہٰذا اس صورت میں امامت کی نیت شرط نہیں، اور جب عورت مرد کے پہلو میں کھڑی ہو جائے، تو اس کا مقصد ادائے نماز کے بجائے مرد کی نماز کو فاسد کرنے کا ہے، لہٰذا اس کا قصد خود اس کی نماز کے فاسد ہونے کا باعث بن جائے گا، البتہ اگر مرد نے اس کی امامت کی نیت کی ہو تو اس وقت مرد کی نماز بھی فاسد ہوگی، کیونکہ مرد اس نقصان کا خود ذمہ دار ہے۔

عورت کا خنثیٰ مشکل کی اقتداء کرنا جائز ہے

ایسے ہی عورت کا خنثیٰ مشکل کی اقتداء کرنا بھی جائز ہے؛ کیونکہ اگر خنثیٰ مرد ہے تو بھی عورت کا مرد کی اقتداء کرنا صحیح ہے اور اگر وہ خنثیٰ عورت ہے، تو عورت کو تو عورت کی اقتداء کرنا جائز ہے ہی؛ لیکن خنثیٰ کے لیے مناسب یہ ہے کہ صف سے آگے بڑھ کر کھڑا ہو، درمیان صف میں کھڑا نہ ہو، تا کہ مرد ہونے کی صورت میں محاذات کی وجہ سے اس کی نماز فاسد نہ ہو جائے، اسی طرح اس پر عورتوں کی امامت کی نیت بھی ضروری ہوگی تا کہ مرد ہونے کی صورت میں عورتوں کا اقتداء کرنا درست ہو جائے، خنثیٰ مشکل کا خنثیٰ مشکل کی اقتداء کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ ممکن ہے امام عورت ہو اور مقتدی مرد، تو بعض وجوہ سے مرد کا عورت کی اقتداء کرنا لازم

آئے گا، احتیاط اسی میں ہے کہ اقتداء نہ کرے۔(۱)

بچہ کی امامت بالغ کیلئے درست نہیں

مردوں کے لیے جائز نہیں کہ نابالغ بچے کی اقتداء کریں، کیونکہ بچے کی نماز نفل ہے اور نفل پڑھنے والے کے پیچھے فرض پڑھنے والے کی نماز نہیں ہوتی، اور تراویح، سنن مطلقہ یعنی سنن رواتب اور ایک روایت کے مطابق عید کی نماز اور صاحبین کے نزدیک وتر کی نماز، صلاۃ کسوف وخسوف اور صلاۃ الاستسقاء بچے کی اقتداء میں ادا کی جاسکتی ہے، مشائخ بلخ نے مظنون پر قیاس کرتے ہوئے اس کو جائز قرار دیا ہے (مظنون کہتے ہیں اس شخص کو جو نماز مکمل پڑھ لے اور پھر اس کو شک ہوجائے، کہ اس کی نماز مکمل ہوئی یا نہیں ہوئی، تو ایک یا دو رکعت مزید پڑھ لیتا ہے، اب اس ایک یا دو رکعت میں کوئی دوسرا آدمی اس کی اقتداء کرلیتا ہے تو مشائخ بلخ کے نزدیک یہ اقتداء صحیح ہوجائے گی، حالانکہ یہ ایک یا دو رکعت مظنون کے حق میں نماز مکمل ہونے کی صورت میں نفل ہوگی، تب بھی مقتدی مفترض کی نماز امام متنفل کے پیچھے صحیح ہوجاتی ہے، اسی طرح بچے کے پیچھے مفترض کی نماز درست ہوجاتی ہے) لیکن ہمارے مشائخ بخارا نے اس کو ناجائز قرار دیا ہے، بعض فقہاء نے مطلق نوافل میں بچے کی اقتداء کرنے کے سلسلہ میں امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے مابین اختلاف نقل کیا ہے، اور فرمایا ہے کہ ہمارے فقہاء کے یہاں سنن میں بچے کی اقتداء مطلق ناجائز ہے، اس میں اختلاف نہیں، البتہ نوافل مطلق میں (جو کسی سبب کے ساتھ مقید نہ ہوں، مسببہ کی مثال تحیۃ المسجد اور مطلقہ کی مثال کسی بھی وقت پڑھے جانے والے نوافل) امام ابو یوسفؒ بچے کی اقتداء کی اجازت نہیں دیتے، جب کہ امام محمدؒ بچے کی اقتداء کی نوافل مطلقہ میں اجازت دیتے ہیں، راجح قول امام ابو یوسف ہی کا ہے، لہٰذا کسی بھی نماز میں بچے کی اقتداء درست نہ ہوگی۔

بچے کی نفل بالغ کی نفل کے مقابلہ میں ادنی ہے

وجہ یہ ہے کہ بچے کی نفل بالغ کی نفل کے مقابلہ میں ادنی ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر بچہ نفل کو

(۱) بدائع الصنائع جلد اول صفحہ ۳۵۲۔

فاسد بھی کردے تو بالاتفاق بچے پر قضا واجب نہیں ہوگی، اور بالغ پر فاسد کرنے کی صورت میں نفل نماز کی قضا واجب ہوگی، لہٰذا ادنی کے پیچھے اقوی کی نماز درست نہ ہوگی، مظنون پر جہاں تک مشائخ بلخ کے قیاس کرنے کا تعلق ہے تو چونکہ مظنون کی نماز یقینی طور پر نفل نہیں بلکہ مظنون اس میں غور وخوض کی کوشش کرتا ہے (آیا میری نماز مکمل ہوگئی یا نہیں) لہٰذا نماز مکمل ہونے کی صورت میں اگرچہ مظنون کے حق میں یہ نماز نفل ہوگی مگر مقتدی کے حق میں یہ ظن معدوم سمجھا جائے گا اور فرض ہی تصور کیا جائے گا، گویا مفترض کے پیچھے مفترض ہی کی نماز ہوئی، برخلاف اس کے کہ بچے کے پیچھے بچے کی نماز اس لیے درست ہوجاتی ہے کہ دونوں کی نماز اور حالت متحد ہوتی ہے، قوی اور ضعیف کا مسئلہ ہی نہیں۔(۱)

صاحب بدائع الصنائع رقم طراز ہیں کہ باشعور بچہ تراویح میں نابالغ بچوں کی امامت کرسکتا ہے، تراویح میں بالغین کی امامت کے سلسلہ میں مشائخ کا اختلاف گزر چکا ہے، نیز مجنون اور بے شعور نابالغ بچہ اصلاً نماز ہی کا اہل نہیں، لہٰذا امامت کا بھی اہل نہیں۔(۲)

امامت کے مکروہات پر اجمالی نظر

گزشتہ اوراق میں امامت کے مکروہات تفصیل سے ذکر کئے گئے ہیں، اب اخیر میں ان سب پر ایک اجمالی نظر ڈالنا مناسب معلوم ہوتا ہے، نابینا اگر افضل القوم نہ ہو تو اس کی امامت مکروہ تنزیہی ہے، یہی حکم ولد الزنا کا بھی ہے، جاہل خواہ دیہاتی ہو یا شہری، عالم کی موجودگی میں اس کی امامت مکروہ ہے، خوبصورت بے ریش نوجوان یعنی امرد کی امامت بھی فتنہ کے پیش نظر مکروہ ہے، اگرچہ وہ اعلم القوم ہی کیوں نہ ہو، اگر لوگوں کے لیے فتنہ کا اندیشہ نہ ہو تو کوئی حرج نہیں، بے وقوف کی امامت بھی مکروہ ہے جو عمدہ تصرف پر قادر نہ ہو، مفلوج، مجذوم اور ایسا ابرص جس کے برص کے داغ بہت پھیل چکے ہوں، مجبوب (جس کا عضو تناسل کٹا ہوا ہو) ایسا لنگڑا جو قدم کے بعض حصے پر کھڑا ہوتا ہو، ہاتھ کٹا ہوا، ان سب کی

(۱) فتح القدیر جلد ا رصفحہ ۳۱۱۔ (۲) بدائع جلد ا رصفحہ ۳۸۸۔

امامت بھی مکروہ ہے، اجرت لے کر امامت کرنے والے کی امامت بھی مکروہ ہے، الا یہ کہ وقف کرنے والے نے اس کے لیے اجرت کی شرط لگائی ہو، تب امامت مکروہ نہیں، اس وقت یہ اجرت صدقہ یا تعاون کے طور پر ہوگی۔

اگر فروع میں امام کا مسلک، مقتدی کے مسلک سے مختلف ہو اور مقتدی کو شک ہے کہ ہمارے مسلک کے مطابق نماز اور وضو کو فاسد کرنے والی چیزوں میں امام رعایت نہیں کرتا، تو اس کی امامت مکروہ ہوگی اور اگر ایسا شک نہ ہو بلکہ مقتدی جانتا ہو کہ امام صاحب اختلاف مسالک کی بھی رعایت کرتے ہیں، تو امامت میں حرج نہیں، نیز اگر مقتدی امام کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا، تب بھی امامت میں کراہت نہیں، اسی طرح امام کے کھڑے ہونے کی جگہ مقتدی کے مقابلہ میں ایک ہاتھ یا اس سے زیادہ بلند ہو یا اس کے برعکس مقتدیوں کی جگہ ایک ہاتھ یا اس سے زیادہ بلند ہو تو مکروہ ہے، ایک ہاتھ سے کم بلندی میں کوئی کراہت نہیں ہے، یہ کراہت اس صورت میں ہوگی جب کہ امام اپنے مقام پر تنہا ہو، اگر اس کے ساتھ ایک یا ایک سے زیادہ مقتدی بھی ہوں تو کوئی حرج نہیں۔

جس امام کو لوگ اس وجہ سے ناپسند کریں کہ وہ کسی ذاتی کمی ونقص کی بنا پر لوگوں کی نفرت کا باعث ہے، اس کی امامت بھی مکروہ ہوگی، اسی طرح عورتوں کی جماعت مکروہ تحریمی ہوگی، خواہ تراویح ہی میں کیوں نہ ہو، البتہ نماز جنازہ میں عورتوں کی جماعت مکروہ نہیں ہے اور اگر جماعت کریں تو عورت امام عورتوں کے بیچ میں کھڑی ہوگی، جیسے برہنہ لوگ نماز پڑھتے ہیں اور عورتوں کا جماعت کی نماز میں حاضر ہونا بھی مکروہ ہے، خواہ جمعہ کی نماز ہو یا عید کی، اسی طرح رات میں مجلس وعظ میں شریک ہونا بھی مکروہ ہے، دن میں مجلس وعظ میں شریک ہونا فتنہ سے مامون ہونے کی شرط کے ساتھ جائز ہے، تنہا مرد کے لیے عورتوں کی جماعت بھی مکروہ ہوگی، جب کہ اس گھر میں دوسرا مرد جماعت میں شریک نہ ہو اور نہ ہی امام کے ساتھ محرم مثلاً بیوی یا بہن وغیرہ ہو۔(۱)

(۱) کتاب الفقہ جلد ۱ رصفحہ ۳۸۱۔
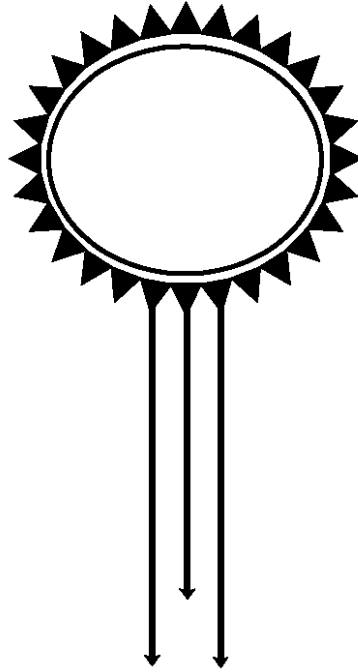
ساتواں باب

امام اور مقتدی کے افعال

ساتواں باب

امام اور مقتدی کے افعال

نماز میں مقتدی کا اپنے امام کی متابعت کرنا

افعال نماز میں مقتدی کے لیے امام کی متابعت کی تین شکلیں ہیں: مقارنہ،تعقیب،تراخی۔

مقارنہ

مقارنہ یہ ہے کہ مقتدی امام کی اتباع ایک ساتھ اس طرح کرے کہ امام تحریمہ باندھے تو وہ بھی تحریمہ باندھے، امام رکوع کرے تو وہ بھی رکوع کرے، امام سلام پھیرے تو وہ بھی سلام پھیرے، اگر کوئی شخص امام سے قبل رکوع میں چلا گیا اور اپنی اسی حالت میں رہا یہاں تک کہ امام نے رکوع کیا،تو اس نے اب امام کی متابعت کی تو وہ امام کے ساتھ رکوع کرنے والا ہے اور یہ صورت مقارنہ ہی کی کہلائے گی۔

تعقیب

تعقیب یہ ہے کہ مقتدی امام کے فعل کے بعد اس فعل کی اتباع کرے،اس طور پر کہ امام کے فعل کے معاً بعد وہ فعل کرے اور پھر اس کے باقی عمل میں تسلسل سے شریک رہے۔

تراخی

تراخی یہ ہے کہ مقتدی امام کے ایک رکن ادا کرنے کے بعد وہ رکن ادا کرے لیکن امام کے دوسرے رکن میں جانے سے قبل اس رکن سے فارغ ہو کر امام کے دوسرے رکن میں شریک ہو جائے۔

یہ تینوں شکلیں نماز کے افعال میں امام کی متابعت کی ہیں

یہ تینوں شکلیں نماز کے افعال میں امام کی متابعت کی ہیں، اگر امام نے رکوع کیا تو اس نے بھی اس کے ساتھ رکوع ملا دیا، یا تھوڑی تاخیر سے رکوع میں گیا، یا بالکل امام کے بعد ہی کیا اور اس میں امام کا شریک رہا، یا رکوع سے امام کے اٹھنے کے بعد سجدہ کے لئے جھکنے سے پہلے رکوع کیا تو رکوع میں امام کی متابعت مانی جائے گی، اتباع کی یہی صورتیں فرض میں فرض، واجب میں واجب اور سنت میں سنت ہیں، اور اگر رکوع میں متابعت چھوڑ دی جیسے اس نے امام سے پہلے رکوع کیا، پھر امام کے رکوع سے پہلے اپنا سر اٹھالیا اور امام کے ساتھ یا اس کے بعد نئی رکعت میں رکوع نہیں کیا، تو اس کی نماز باطل ہوگئی، اس لیے کہ اس نے فرض میں متابعت نہیں کی ہے، اسی طرح امام سے قبل رکوع اور سجدہ کرلے تو وہ رکعت جس میں ایسا کیا ہے، لغو ہو جائے گی، اور اس کے بعد جو کچھ وہ دوسری رکعت میں کرے گا وہ پہلی رکعت میں منتقل ہو جائے گا، جو تیسری رکعت میں کرے گا وہ دوسری میں منتقل ہو جائے گا اور جو چوتھی میں کرے گا وہ تیسری میں منتقل ہو جائے گا، لہٰذا اس پر ایک رکعت باقی رہے گی، امام کے سلام کے بعد اس کی قضاء واجب ہو جائے گی، ورنہ اس کی نماز باطل ہو جائے گی، اور اگر وہ دعاء قنوت میں اتباع چھوڑ دے تو گنہ گار ہوگا، اس لیے کہ اس نے ایک واجب ترک کیا ہے اور اگر اس نے رکوع و سجود کی تسبیحات میں متابعت ترک کی ہے، تو وہ سنت کو چھوڑنے والا ہے۔

چار چیزوں میں مقتدی کو امام کی اتباع لازم نہیں

(۱) جب امام نماز میں عمداً ایک سجدہ زائد کرے تو اس کی اتباع ضروری نہیں ہے۔

(۲) تکبیرات عیدین جو صحابہ کرامؓ سے ثابت ہیں، ان سے زیادہ تکبیر کہے تو اتباع ضروری نہیں ہے۔

(۳) نماز جنازہ میں چار تکبیروں سے زیادہ پانچ تکبیر کہے تو اس کی اتباع ضروری نہیں ہے۔

(۴) فرض نماز میں قعدہ اخیرہ کے بعد بھول کر زائد رکعت کے لیے کھڑا ہو جائے، اگر وہ ایسا کرے اور اس رکعت کو سجدہ سے مقید کرے، تو مقتدی تنہا سلام پھیر دے، اور اگر اس کو سجدہ سے مقید نہ کرے اور قیام سے قعدہ اخیرہ کی طرف لوٹ آئے تو جب وہ سلام پھیرے تو مقتدی بھی اس کے ساتھ سلام پھیر دے اور اگر امام قعدہ اخیرہ سے پہلے ہی زائد رکعت کے لیے کھڑا ہو جائے اور اس رکعت کو سجدہ سے مقید کر دے تو امام اور مقتدی سب کی نماز باطل ہو جائے گی۔

سلام اور تحریمہ کی متابعت کے بیان (کہ جب مقتدی کی بعض رکعت یا تمام رکعتیں فوت ہو جائیں) کی بحث میں ''کتاب الفقہ'' کے مصنف نے لکھا ہے کہ مقتدی پر سلام میں امام کی متابعت لازم ہے، جب وہ تشہد پڑھنے سے فارغ ہو جائے، اگر مقتدی نے امام سے قبل تشہد پڑھ لیا اور اس سے قبل ہی سلام پھیر دیا تو اس کی نماز کراہت تحریمی کے ساتھ جائز ہے بشرطیکہ بغیر کسی عذر کے ایسا کیا گیا ہو۔

افضل یہ ہے کہ مقتدی امام کے ساتھ ہی سلام پھیرے، نہ تو پہلے اور نہ بعد میں، امام سے پہلے سلام پھیرنے کا حکم گزر چکا ہے، اگر کوئی امام کے بعد سلام پھیرتا ہے تو وہ افضل کا تارک ہے، البتہ اگر مقتدی نے امام سے قبل ہی تکبیر تحریمہ کہہ دی تو اس کی نماز ہی صحیح نہ ہوگی، اگر امام کے ساتھ تکبیر کہتا ہے تو صحیح ہے، اگر بعد میں کہتا ہے تو وہ تکبیر تحریمہ کے وقت کی فضلیت کا تارک ہے۔(۱)

امام کی کب اقتداء کی جائے اور کب نہ کی جائے

جب مقتدی امام کو تشہد میں پائے اور امام مقتدی کے تشہد پورا کرنے سے پہلے کھڑا ہو جائے یا مقتدی کے تشہد پورا کرنے سے پہلے امام نماز کے آخر میں سلام پھیر دے، تو مختار قول یہ ہے کہ مقتدی تشہد پورا کرے اور اگر وہ پورا نہ کرے تب بھی جائز ہے، اور اگر مقتدی کے تشہد سے فارغ ہونے سے پہلے امام بات کرے تو وہ تشہد پورا کرے، اسی طرح جیسے امام

(۱) کتاب الفقہ جلد ۱ رصفحہ ۲۷۲۔

سلام پھیر دے اور اگر مقتدی کے تشہد سے فارغ ہونے سے پہلے امام عمداً حدث کر دے تو اس مقتدی کی نماز فاسد ہو جائے گی، اور جب امام تشہد کے لیے بیٹھے اور قعدہ اولی سے تیسری رکعت کے لیے کھڑا ہو جائے اور امام کے پیچھے کچھ لوگ تشہد بھول جائیں، یہاں تک کہ سبھی لوگ کھڑے ہو جائیں تو جو تشہد نہیں پڑھ سکا ہے، وہ لوٹ آئے اور تشہد پڑھے، پھر امام کی اتباع کرے، اگر چہ رکعت چھوٹنے کا خوف ہو، اور اگر امام مقتدی کے تشہد کے بعد دعا ماثورہ یا درود شریف کے پڑھنے سے پہلے سلام پھیر دے تو وہ بھی امام کے ساتھ سلام پھیر دے، اور اگر امام مقتدی کے تین مرتبہ تسبیح پڑھنے سے پہلے رکوع وسجود سے اپنا سر اٹھائے تو صحیح قول یہ ہے کہ وہ امام کی اتباع کرے اور تسبیح کو چھوڑ دے، اور جب مقتدی اپنا سر امام سے پہلے رکوع یا سجود سے اٹھالے تو مناسب ہے کہ وہ لوٹ جائے اور رکوع یا سجود میں امام کے ساتھ ہو جائے اور یہ دو رکوع یا دو سجود نہیں ہونگے۔

اور اگر امام طویل سجدہ کرے اور مقتدی اس گمان میں اپنا سر اٹھالے کہ امام دوسرے سجدے میں ہے، پھر سجدہ میں چلا جائے تو اس کا پہلا ہی سجدہ شمار ہوگا، چاہے پہلے سجدہ کی نیت کرے یا نہ کرے، اور اسی طرح اگر دوسرے سجدہ اور متابعت کی نیت کرے تو بھی یہی حکم ہے، اور اگر صرف دوسرے سجدے کی نیت کرے تو دوسرا سجدہ ہی شمار ہوگا، پھر اگر امام اس کے ساتھ شریک ہو جائے تو جائز ہے، اور اگر امام کے زمین پر پیشانی رکھنے سے پہلے مقتدی نے دوسرے سجدے سے اپنا سر اٹھالیا تو جائز نہیں ہے اور اس سجدہ کا اعادہ اس پر ضروری ہے، اگر اعادہ نہیں کرتا ہے تو نماز فاسد ہو جائے گی، اور اگر مقتدی طویل سجدہ کرے اور امام دوسرا سجدہ کر لے پھر مقتدی اپنا سر اٹھائے اور یہ گمان کرے کہ امام پہلے سجدہ میں ہے پھر دوسرا سجدہ کرے تو دوسرا سجدہ ہی شمار ہوگا، اگر چہ اس نے صرف پہلے سجدہ کی نیت کی ہو، اس لیے کہ نیت اپنے محل کے مطابق نہیں، نہ مقتدی کے اپنے فعل کے اعتبار سے اور نہ امام کے فعل کے اعتبار سے۔

پانچ چیزیں اگر امام چھوڑ دے تو مقتدی بھی چھوڑ دے

(۱) تکبیرات عیدین

(۲) قعدہ اولی

(۳) سجدۂ تلاوت

(۴) سجدۂ سہو

(۵) قنوت جب کہ رکوع کے فوت ہو جانے کا ڈر ہو، اگر ڈر نہ ہو تو قنوت پڑھے، پھر رکوع کرے۔

نو چیزیں ایسی ہیں کہ اگر امام چھوڑ دے تو مقتدی انکو کرے

اور نو چیزیں ایسی ہیں کہ اگر امام چھوڑ دے تو مقتدی ان کو کرے مثلاً تکبیر تحریمہ میں رفع یدین کو چھوڑ دے، تو مقتدی رفع یدین کرے، یا ثنا چھوڑ دے تو مقتدی پڑھے، اگر چہ امام سورہ فاتحہ پڑھ رہا ہو، اور اگر سورت پڑھ رہا ہو تو ثنا نہیں پڑھے گا، یہ امام محمد کے نزدیک ہے، دوسری یعنی ثناء میں اختلاف ہے، اور رکوع وسجود کی تکبیروں کو چھوڑ دے، یا دونوں میں تسبیح چھوڑ دے، یا تسمیع (سمع اللہ لمن حمدہ) یا تشہد کا پڑھنا چھوڑ دے یا سلام یا تکبیرات تشریق کو چھوڑ دے، تو مقتدی ان سب چیزوں کو کرے۔

اگر مقتدی تمام رکعتوں میں امام سے پہلے رکوع وسجود کرے تو ایک رکعت کی بغیر قراءت کے قضا کرے، اور جب امام سے پہلے سجدہ کر لے اور امام اس کے سجدہ کو پالے تو جائز ہے؛ لیکن مقتدی کے لیے ایسا کرنا مکروہ ہے۔(۱)

مقتدی اگر امام سے آگے بڑھ گیا تو نماز باطل ہو جائیگی

مقتدی پر ضروری ہے کہ امام سے آگے نہ بڑھے، اگر بڑھ جاتا ہے تو امامت اور نماز باطل

(۱) فتاوی ہندیہ عالمگیری جلد ا رصفحہ ۱۷۔

ہوجائے گی، اس حکم پر ائمہ ثلاثہ کا اتفاق ہے، البتہ مالکیہ کا اس میں اختلاف ہے، اور وجہ یہ ہے کہ جن لوگوں نے مقتدیوں کے امام سے آگے نہ بڑھنے کی شرط لگائی ہے، انہوں نے اس حکم سے کعبۃ اللہ کے اردگرد نماز پڑھنے کو مستثنیٰ کیا ہے، ان کا کہنا ہے کہ وہاں پر مقتدی کا امام سے آگے بڑھ جانا جائز ہے، البتہ شوافع کے نزدیک اس میں کچھ تفصیل ہے۔(۱)

اگر نماز قیام کی حالت میں ہے، تو مقتدی کی نماز کی صحت کیلئے ضروری ہے کہ اس کے پاؤں کا آخری حصہ امام کے پاؤں کے آخری حصہ سے آگے نہ بڑھے، اور اگر نماز بیٹھنے کی حالت میں ہے تو اعتبار اس کا ہے کہ مقتدی کی سرین امام کی سرین سے آگے نہ بڑھے، اگر مقتدی اس میں آگے بڑھ جاتا ہے تو اس کی نماز صحیح نہیں ہوگی، البتہ اگر وہ امام کے محاذاۃ میں ہی رہتا ہے تو اس کی نماز بغیر کسی کراہت کے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک درست ہے، شوافع کا اس میں اختلاف ہے۔

اگر مکان متحد ہے تو نماز کی اقتداء صحیح ہے

مقتدی امام کے افعال کو سمجھے، خواہ دیکھ کر، یا سن کر، یا کسی مبلغ کے ذریعہ، اگر مقتدی امام کے افعال کو صحیح طور پر سمجھ لیتا ہے تو اس کی نماز درست ہوگی؛ لیکن اگر ان دونوں کی جگہ مختلف ہو، تو مقتدی کی نماز باطل ہوگی کیونکہ امام ومقتدی کے درمیان جگہ کا مختلف ہونا اقتداء کو فاسد کرنیوالا ہے، خواہ مقتدی پر امام کی حالت مشتبہ ہو یا نہ ہو، صحیح قول یہی ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص اپنے گھر میں ہی مسجد کے امام کی اقتداء کرتا ہے، اور اس کے گھر اور مسجد کے درمیان کوئی راستہ وغیرہ حائل ہے، تو اقتداء اختلاف مکانی کی وجہ سے صحیح نہیں ہوگی، اور اگر گھر بالکل مسجد سے متصل ہے، سوائے دیوار مسجد کے اور کچھ درمیان میں نہیں ہے، تو مقتدی کی نماز اس شرط کے ساتھ صحیح ہوگی کہ اس پر امام کی حالت مشتبہ نہ ہو، اسی طرح جب مقتدی اپنے گھر کی چھت پر نماز پڑھے اور اس کی چھت مسجد کی چھت سے بالکل متصل ہو تو بھی اقتداء صحیح ہو جائے گی ؛ کیونکہ ان دونوں حالتوں میں مکان مختلف نہ ہوگا۔

---

(۱) کتاب الفقہ جلد ۱/ صفحہ ۳۶۷۔

امام اور مقتدی کے درمیان راستہ ہے تو اقتداء صحیح نہیں ہے

اگر مکان متحد ہو اور بڑی مسجدوں کی طرح بہت ہی کشادہ ہو، تو وہاں پر بھی جب تک مقتدی پر امام کی حالت مشتبہ نہ ہو اقتداء صحیح ہے، یا تو امام کی آواز سن کر یا مبلغ کی آواز سن کر یا خود امام کو دیکھ کر یا دوسرے مقتدیوں کو دیکھ کر، مگر اس وقت مبلغ کی اتباع بالکل درست نہ ہوگی جب کہ تکبیر تحریمہ وہ صرف تبلیغ صوت کے لیے باندھے کیونکہ اس وقت اس کی نماز ہی باطل ہوگی، لہٰذا جو کوئی اس کی تبلیغ کی اقتداء کرے گا، اس کی نماز بھی باطل ہو جائے گی۔

اور وسیع و کشادہ مسجد میں بھی اقتدا جائز ہے، جب کہ امام اور مقتدیوں کے درمیان کوئی ایسا راستہ نہ ہو کہ اس میں سے کوئی گاڑی گذر جائے یا کوئی ایسی چوڑی نہر ہو جس میں سے بڑی کشتی گزر جائے، اگر یہ چیزیں درمیان میں حائل ہوں تو پھر اقتداء درست نہیں ہے، صحراء کا حکم یہ ہے کہ اگر امام و مقتدی کے درمیان دو صف کے برابر خلا ہے تو پھر اقتدا درست نہیں ہے اور یہی صحراء کا حکم بہت بڑی مسجدوں کے لیے بھی ہے، جیسے بیت المقدس وغیرہ۔(۱)

امام کی متابعت ہی اقتداء کے لئے کافی ہے

بدائع الصنائع کے فاضل مصنف ''اقتداء کے جواز کی شرائط'' کو بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ ہمارے نزدیک ضروری ہے کہ مقتدی اقتداء کے وقت امام سے آگے نہ بڑھے، اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ یہ شرط نہیں ہے، اور امام کی متابعت ہی اقتداء کے جواز کے لیے کافی ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ اقتداء کے لیے صرف نماز میں متابعت لازمی ہے، اور جگہ نماز کا حصہ نہیں، لہٰذا اس میں متابعت لازم نہ ہوگی، اس کی مثال یہ ہے کہ امام کعبۃ اللہ کے پاس مقام ابراہیم پر ہو اور لوگ بیت اللہ کے ارد گرد صف آرا ہوں تو ظاہر ہے کہ اکثر لوگ امام سے آگے ہوں گے۔

---

(۱) کتاب الفقہ جلد ۱/۳۶۸۔

اگر مکان متحد نہیں ہے تو نماز کی اقتداء صحیح نہیں

احناف کی دلیل جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے کہ "لَيْسَ مَعَ الْإِمَامِ مَنْ تَقَدَّمَهُ" (امام سے آگے بڑھنے والا امام کے ساتھ نہ ہوگا) چونکہ امام سے آگے بڑھنے سے مقتدی پر امام کا حال مشتبہ ہو جائے گا یا امام کی متابعت کے لیے بار بار پیچھے دیکھنے کی ضرورت ہوگی، جس سے پوری متابعت نہیں ہوگی، نیز جگہ (مکان) شرائط نماز میں داخل ہے، اور اقتداء، نماز میں کامل پیروی کا نام ہے، چنانچہ جگہ بھی اس میں شامل ہوگی، اسی وجہ سے اگر امام اور مقتدی کے درمیان کوئی نہر یا راستہ حائل ہو تو اتحاد مکانی نہ ہونے کی وجہ سے امام کی اقتداء صحیح نہیں ہوگی، ایسے ہی بخلاف کعبہ کے پاس نماز پڑھنے کا یہ مسئلہ ہے، کیونکہ اگر اس کا چہرہ جب امام کی طرف ہوگا تو تبعیت منقطع نہیں ہوگی اور اس کو قبلہ نہیں کہیں گے، بلکہ باہم وہ آمنے سامنے ہوں گے، جس طرح کہ جب وہ امام کے محاذات میں کھڑا ہو، قبلہ تو اس وقت ہوگا جب کہ اس کی پشت امام کی طرف ہو، اور یہ چیز ہے نہیں، اور ایسے ہی اس پر امام و مقتدی کی حالت بھی مشتبہ نہیں ہے۔

اقتداء کیلئے امام ومقتدی کی جگہ کا ایک ہونا بھی ضروری ہے

امام ومقتدی کی جگہ کا ایک ہونا بھی اقتداء کے جواز کے لیے شرط ہے، اس لیے کہ اقتداء نماز میں اتباع کامل کی متقاضی ہے اور جگہ چونکہ نماز کے لوازمات میں سے ہے، اس لیے جگہ میں بھی تبعیت ضروری ہے، اور جگہ کے مختلف ہونے کی صورت میں مکان کی تبعیت نہیں ہوگی تو نماز کی تبعیت بھی ختم ہو جائے گی، اس لیے کہ اس کا لازم (یعنی جگہ کا ایک ہونا) معدوم ہو گیا۔

امام اور مقتدی کے درمیان فاصلہ کی مقدار

دوسری بات یہ ہے کہ اختلاف مکانی کی صورت میں مقتدی پر امام کا حال مخفی ہو جاتا ہے،

جس کی وجہ سے اس پر متابعت مشکل ہو جاتی ہے اور متابعت کا مطلب اقتداء ہے، اس لیے اگر ان دونوں کے درمیان عام راستہ ہو جس سے لوگ گذرتے ہوں، یا کوئی بڑی نہر ہو تو اقتداء بالکل درست نہیں ہے؛ کیونکہ اس سے عرف اور حقیقت میں جگہ مختلف ہو جاتی ہے، اس کی دلیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ایک موقوف اور مرفوع روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''جس (مقتدی) اور امام کے درمیان کوئی نہر یا راستہ یا عورتوں کی صف ہو تو اس کی اقتداء صحیح نہیں ہوگی'' عام راستہ کی مقدار جو صحت اقتداء کے لیے مانع ہے، یہ ہے کہ جس میں کوئی گاڑی یا سامان لے کر گدھا یا خچر گذر جائے، شیخ ابونصر سے دریافت کیا گیا تو انہوں نے یہی مقدار بتائی، اور یہ ''الفتاوی'' میں مذکور ہے۔

اور امام ابوالقاسم الصفار سے اس کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اس کی مقدار یہ ہے کہ جس میں اونٹ گذر جائے اور بڑی نہر وہ ہے جس کا پار کرنا پل یا اس جیسی کسی اور تدبیر کے بغیر ممکن نہ ہو، امام سرخسیؒ نے ذکر کیا ہے کہ راستہ سے مراد یہ ہے کہ جس میں گاڑی گذر جاتی ہو اور اس کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ نہ ہو، اور نہر سے مراد وہ نہر ہے جس میں کشتیاں چلتی ہوں، ورنہ وہ چھوٹی نہر ''جدول'' کے قائم مقام ہے، جو اقتداء کے درست ہونے کے لیے مانع نہیں ہے، اگر صفیں راستہ پر متصل ہوں تو اقتداء جائز ہے، اس لیے کہ صفوں کا اتصال اس بات سے مانع ہوتا ہے کہ لوگوں کی گزرگاہ ہو، لہٰذا وہ راستہ باقی نہیں رہتا، بلکہ وہ نماز کے حق میں مصلی (نماز پڑھنے کی جگہ) ہو جاتا ہے، اور یہی حکم اس نہر کا ہے جس پر پل تعمیر ہو اور صفیں اس پر متصل ہوں، جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے۔

محراب کی دیوار اقتداء میں مانع نہیں ہوتی

اور اگر ان دونوں کے درمیان دیوار حائل ہو تو اس کے جواز کا ذکر ''اصل'' میں موجود ہے، امام حسن نے حضرت امام ابوحنیفہؒ کے حوالے سے روایت کی ہے کہ یہ جائز نہیں اور اس کی دو شکلیں ہیں: اگر دیوار چھوٹی و پست ہو بایں طور کہ ہر شخص اس پر سوار ہو سکے جیسے محراب کی

دیوار ہوتی ہے، تو یہ اقتدا میں مانع نہیں ہے، اس لیے کہ یہ جگہ میں پیروی کونہیں روکتی ہے اور امام کی حالت کے مخفی ہونے کا سبب بھی نہیں بنتی، اور اگر امام اور مقتدی کے درمیان ایسی طویل وعریض دیوار حائل ہو، جس میں کوئی سوراخ وغیرہ نہ ہو تو اقتداء ممنوع ہوگی اور اگر اس میں شگاف وغیرہ ہو، جس سے امام کی حالت کا مشاہدہ ہوتا ہو تو اس میں بالاتفاق اقتداء درست ہے، اور اگر دیوار بڑی ہو اور اس میں کوئی بڑا دروازہ یا کھڑکی وغیرہ کھلی ہوئی ہو، تو اس صورتحال کا حکم بھی مندرجہ بالا ہے، اور ان میں سے کوئی چیز نہ ہو تو اس سلسلے میں دو روایتیں ہیں: پہلی روایت کے مطابق کہا جاتا ہے کہ اقتداء صحیح نہیں ہوگی؛ کیونکہ اس پر اپنے امام کی حالت مشتبہ ہو جاتی ہے، لہٰذا پیروی ممکن نہیں۔

دوسری روایت کی توجیہ جواز کی ہے جو مکہ میں نماز میں لوگوں کے عمل سے ظاہر ہوا کہ امام مقام ابراہیم میں کھڑا ہوتا ہے اور بعض لوگ خانہ کعبہ کے پیچھے دوسری جانب کھڑے ہوتے ہیں، ان کے اور امام کے درمیان کعبہ کی دیوار فاصل اور حائل ہوتی ہے کوئی ان کو اس سے نہیں روکتا، تو یہ جواز کی دلیل ہے اور اگر ان دونوں کے درمیان عورتوں کی صف ہو تو یہ اقتداء کے درست ہونے کو ممنوع قرار دیتی ہے۔

مسجد کی چھت پر کھڑے ہو کر امام کی اقتداء درست ہے

اور اگر امام کی اقتداء مسجد کے اخیر میں کی، حالانکہ امام محراب کے اندر ہو، تو یہ جائز ہے، اس لیے کہ مسجد کے اطراف دوری کے باوجود مکان واحد کے حکم میں ہیں، اور اگر کوئی مسجد کی چھت پر کھڑا ہوا اور وہاں سے امام کی اقتداء کرنا چاہتا ہے، اور اگر وہ امام سے پیچھے یا مدمقابل میں کھڑا ہوا ہو تو جائز ہے، جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ''وہ مسجد کی چھت پر کھڑے ہو کر امام کی اقتداء کر رہے تھے، اس حال میں کہ امام مسجد کے اندر تھا'' اور اس لئے کہ مسجد کی چھت مسجد کے تابع ہوتی ہے، اور جو حکم اصل کا ہوتا ہے، وہی تابع کا ہوتا ہے ، گویا کہ وہ بھی مسجد کے اندرون میں ہے، اور یہ حکم اس وقت تک ہے جب مقتدی پر اپنے امام

کی حالت مشتبہ نہ ہو، اگر اس پر امام کی حالت مشتبہ ہو جائے، تو یہ جائز نہیں، اور اگر مقتدی امام سے آگے کھڑا ہو تو تبعیت نہ پائے جانے کی وجہ سے جائز نہیں ہوگا، جیسا کہ مسجد کے اندر آگے بڑھنا جائز نہیں، اسی طرح اگر کسی کی چھت مسجد کے ایک سرے سے متصل ہو اور ان دونوں کے درمیان کوئی راستہ وغیرہ نہ ہو اور وہاں امام کی اقتداء کرے تو اقتداء ہمارے نزدیک صحیح ہو جاتی ہے(۱) اور شوافع کے یہاں اقتداء صحیح نہ ہوگی (۲) اس لیے کہ اس نے بلاضرورت جماعت کے ساتھ نماز کی جگہ ترک کی۔

مسجد کی چھت مسجد کے تابع ہے

احناف کی دلیل یہ ہے کہ اگر چھت مسجد کی چھت سے متصل ہے تو یہ مسجد کی چھت کے تابع ہوگی اور مسجد کی چھت کے تابع ہونا مسجد کے حکم میں ہے، اس لیے جو چھت پر ہے، اس کی اقتداء اس طرح ہے گویا کہ وہ مسجد کے اندر ہو، اور یہ مسئلہ اس وقت ہے جب امام کی حالت اس پر مشتبہ نہ ہو، اور اگر مسجد کے باہر سے مسجد میں موجود امام کی اقتداء کی تو اگر صفیں متصل ہیں تو جائز ہے ورنہ نہیں، اس لیے کہ وہ جگہ صفوں کے متصل ہونے کی وجہ سے مسجد سے ملحق ہے، اور یہ مسئلہ اس وقت ہے جب امام مسجد میں نماز پڑھا رہا ہو؛ لیکن جب امام صحراء میں نماز پڑھا رہا ہو تو اگر امام اور لوگوں کے درمیان دو صف یا اس سے زیادہ کا فاصلہ ہو تو ان کی اقتداء جائز نہیں، اس لیے کہ یہ عام راستہ یا بڑی ندی کے حکم میں ہے، جو اختلاف مکان کا باعث ہے۔

اور ''فتاوی'' میں مذکور ہے کہ ابونصر سے ایسے امام کے بارے میں مسئلہ دریافت کیا گیا جو وسیع بیابان میں نماز پڑھا رہا ہو، اس کے اور لوگوں کے درمیان کتنا فاصلہ اقتداء کے صحیح

---

(۱) بخاری شریف کی روایت ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو اپنے حجرہ میں نماز پڑھتے تھے، اور حجرہ کی دیوار چھوٹی تھی، تو لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر آپ کے ساتھ نماز پڑھنے لگے، پھر صبح ہوئی تو انہوں نے اس کا تذکرہ کیا، چنانچہ دوسری شب بھی حضور نے ایسا ہی کیا، تو لوگ بھی آپ کے ساتھ اٹھ گئے اور نماز پڑھنے لگے، دو یا تین رات ایسے ہوا، یہاں تک حضور اس کے بعد بیٹھے رہے اور اور پھر نہ نکلے۔

(۲) ''الام'' جلد ۱ر صفحہ ۹۸-۹۹۔

ہونے کے لیے مانع ہوگا؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ جب فاصلہ اس مقدار میں ہو جس سے صف میں کھڑا ہونا ممکن نہ ہو تو ان کی نماز درست ہے۔

عیدگاہ میں یہ صورت جائز مگر مکروہ ہوگی

پھر پوچھا گیا کہ اگر وہ عیدگاہ میں نماز پڑھ رہا ہو تب کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا اس کا بھی مسجد جیسا حکم ہے، اگر امام کسی دوکان پر نماز پڑھ رہا ہے اور لوگ اس کے نیچے ہوں یا اس کے برعکس معاملہ ہو تو جائز ہے؛ لیکن مکروہ ہے، جواز کی علت یہ ہے کہ اس سے تبعیت منقطع نہیں ہوتی جو امام کی حالت کے پوشیدہ ہونے کا باعث ہے، اور کراہت کی علت یہ ہے کہ اس میں اختلاف مکان کا شبہ ہے۔

محدثین کے نزدیک صف سے اکیلے نماز پڑھنا درست نہیں

اور عام فقہاء کے نزدیک مقتدی کا امام کے پیچھے صف میں اکیلے نماز پڑھنا صحت اقتداء کے لیے مانع نہیں ہے اور محدثین حضرات جن میں امام احمد بن حنبلؒ بھی ہیں ممانعت کے قائل ہیں، ان کی دلیل یہ حدیث ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''صف کے پیچھے اکیلے نماز پڑھنے والے کی نماز درست نہیں ہے''۔(۱)

حضرت وابصہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو ایک کنارے پر نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: اپنی نماز لوٹاؤ، اس لیے کہ صف کے پیچھے تنہا نماز پڑھنے والے کی نماز درست نہیں ہے۔(۲)

احناف کے نزدیک صف سے اکیلے نماز پڑھنا درست ہے

احناف کہتے ہیں نماز جائز ہے، اور ان کی دلیل حضرت انس بن مالکؓ کی یہ روایت ہے،

(۱) مسند احمد جلد۴/حدیث نمبر ۳۰۳/ابن ماجہ ۱۰۰۳۔

(۲) مسند احمد جلد۴/حدیث نمبر ۲۲۸/ابوداؤد ۶۸۲۔

وہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اور یتیم کو اپنے پیچھے کھڑا کیا اور میری ماں ام سلیم رضی اللہ عنہا کو ہمارے پیچھے کھڑا کیا۔(۱)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ام سلیم کی تنہا اقتداء کو صف کے پیچھے جائز قرار دیا ہے، اور یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ عورت کا مرد کے محاذات میں کھڑا ہونا، مرد کی نماز کے لیے مفسد ہے، اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صف کے پیچھے تنہا نماز پڑھنے کی ممانعت کے باوجود حضرت ام سلیمؓ کو ان دونوں کے پیچھے کھڑا کیا، اس سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کی نماز کی حفاظت کی خاطر ایسا کیا، ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ مسجد میں داخل ہوئے، اس حال میں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع میں تھے، آپ رضی اللہ عنہ نے تکبیر کہہ کر رکوع کیا اور اسی حالت میں آہستہ آہستہ گھسٹتے ہوئے صفوں سے مل گئے، پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو آپؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالی تمہاری حرص کو بڑھائے؛ لیکن دوبارہ ایسا مت کرنا، یا یہ فرمایا کہ نماز کا اعادہ نہ کرو، صف کے پیچھے تنہا اقتداء کو جائز قرار دیا اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر یہ معلوم ہو جائے کہ اس کے برابر والا محدث تھا، تب بھی بالاتفاق اس کی نماز صحیح ہو جائے گی، اگر چہ وہ حقیقی طور پر صف کے پیچھے تنہا نماز پڑھ رہا ہے، اور حدیث نفی کمال پر محمول ہے اور اعادہ کا حکم شاذ ہے، اور اگر یہ ثابت بھی ہو جائے، تب بھی اس کا احتمال ہے کہ اس کے اور امام کے درمیان مانع اقتداء کوئی عمل واقع ہوا ہو، اور حدیث میں اسی پر دلالت ہے، اس لیے حدیث میں ''حجرۃ الارض'' ایک کنارہ میں نماز پڑھنے کی ممانعت وارد ہے؛ لیکن علماء احناف کے نزدیک مسئلہ یہ ہے کہ اگر صف میں خلا باقی ہو تو اس سے جا ملے پھر تکبیر کہے، اور بغیر کسی ضرورت کے تنہا نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

اگر ایک صف سے زیادہ چلا تو نماز فاسد ہو جائیگی

اور اگر تنہا نماز پڑھ رہا تھا، پھر صف سے ملنے کے لیے چلا، تو ''فتاوی'' میں محمد بن سلمہؒ سے

(۱) مؤطا امام مالک جلد ۱/حدیث نمبر ۱۵۳/ر۔

منقول ہے کہ اگر نماز میں ایک صف کے بقدر چلا ہے تو نماز فاسد نہیں ہوگی، اور اگر اس سے زیادہ چلا ہے تو نماز فاسد ہو جائے گی، اسی طرح مسبوق جب چھوٹی ہوئی رکعت پوری کرنے کے لیے کھڑا ہو، تو آگے بڑھ جائے حتی کہ لوگ اس کے سامنے سے نہ گذریں، تو اگر ایک صف کے بقدر بڑھا ہے تو نماز فاسد نہیں ہوگی، اور اگر ایک صف سے زیادہ بڑھا ہے تو فاسد ہو جائے گی، اسی کو فقیہ ابواللیثؒ نے اختیار کیا ہے، خواہ مسجد میں ہو یا کسی صحراء میں، اور اگر ایک صف کے بقدر چلتا ہے اور پھر کھڑا ہو جاتا ہے تو اس کی نماز فاسد نہیں ہوگی، ہمارے بعض فقہاء نے سجدے کی جگہ کی مقدار کا اندازہ کیا ہے، اور بعض نے دو صفوں کی مقدار کا، تو جب اس سے زیادہ بڑھ جائے تو نماز فاسد ہو جائے گی۔(۱)

امام اور مقتدی کی جگہ کا بیان

جب امام کے علاوہ تین آدمی ہوں تو امام ان سے آگے کھڑا ہوگا، اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، اور اس پر امت کا عمل بھی ہے، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ''میری دادی حضرت ملیکہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کھانے کی دعوت دی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کھڑے ہو جاؤ، میں تم لوگوں کو نماز پڑھاؤں گا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اور یتیم کو اپنے پیچھے کھڑا کیا اور میری ماں ام سلیم رضی اللہ عنہا کو ہمارے پیچھے کھڑا کیا'' اور اس لیے بھی کہ امام کے لیے مناسب ہے کہ اس طرح کھڑا ہو کہ دوسروں سے ممتاز ہو، اور آنے والے شخص کے لیے اشتباہ نہ ہو، تاکہ اس کے لیے اقتداء ممکن ہو، اور یہ صورت امام کے آگے بڑھنے سے ہی ہو سکتی ہے۔

جب تین آدمی ہوں تو امام آگے کھڑا ہوگا

اگر امام لوگوں کے درمیان یا صف کے دائیں یا بائیں جانب کھڑا ہو تو جائز ہے، لیکن گناہ ہے، چونکہ جواز کا تعلق ارکان سے ہے، اور ارکان کی ادائیگی ہو رہی ہے اور گناہ سنت متواترہ

(۱) بدائع الصنائع جلد ۱ صفحہ ۳۶۴۔

چھوڑنے کی وجہ سے ہے، اور امام ایسی حالت میں ہے کہ آنے والے کے لیے اقتداء ممکن نہیں ہے، بلکہ یہ تو اقتداء کے فساد کا پیش خیمہ ہے، اسی طرح جب امام کے علاوہ دو شخص ہوں تو امام ان دونوں کے آگے کھڑا ہو، یہی ''ظاہر الروایۃ'' میں ہے، امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ امام ان کے درمیان میں کھڑا ہوگا، اس لیے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت علقمہ اور حضرت اسود کی امامت کی تھی، اور ان کے درمیان میں کھڑے ہوئے تھے اور فرمایا تھا کہ ''اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے ساتھ کیا تھا''۔(۱)

احناف کی دلیل یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انسؓ اور یتیم کو نماز پڑھائی تھی، اور ان کو اپنے پیچھے کھڑا کیا تھا، اور یہی مسلک حضرت علی اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا ہے، اور مذکورہ بالا حدیث میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا یہ کہنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح ہمارے ساتھ کیا تھا، یہ ان کی طرف سے زیادتی ہے، ورنہ عام روایات میں یہ منقول نہیں ہے، چنانچہ یہ ثابت نہیں رہا، محض عمل تو یہ جگہ کے تنگ ہونے پر محمول ہوگا، اسی طرح حضرت ابراہیم نخعیؒ نے فرمایا جو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے مسلک اور حالات کو اچھی طرح جاننے والے ہیں، اگر زیادتی ثابت ہو جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تنگ جگہ ہونے کی وجہ سے ایسا کیا تھا، اس بنا پر اگر حدیثیں آپس میں متعارض ہوں تو معقول کو اختیار کیا جائے گا، جس کی وجہ سے امام آگے بڑھتا ہے، اس کی وجہ ہم نے بیان کر دی ہے کہ امام کی حالت لوگوں پر مشتبہ نہ رہے، اور اس کی اقتداء ممکن ہو اور یہ بات ہمارے مستدل میں موجود ہے، باوجود اس کے اگر امام ان کے درمیان کھڑا ہو جائے تو مکروہ نہیں ہے، کیونکہ روایت موجود ہے اور تاویل کا تعلق اجتہاد سے ہے۔

بچہ بھی امام کے دائیں جانب کھڑا ہو

اگر امام کے ساتھ ایک آدمی یا ایک عقلمند بچہ ہو تو وہ امام کے دائیں جانب کھڑا ہوگا؛ کیونکہ

(۱) مسلم شریف حدیث نمبر ۸۳۱۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے رات اپنی خالہ حضرت میمونہؓ کے یہاں گزاری تاکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کی نماز دیکھ سکوں، چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "نَامَتِ النُّجُوْمُ وَغَارَتِ الْعُيُوْنُ وَبَقِيَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ" آنکھیں سو چکی ہیں اور ستارے چھپ چکے ہیں؛ لیکن اللہ کی حی وقیوم ذات باقی ہے، پھر آل عمران کی آخری آیتیں پڑھیں "إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ الآية" (۱) پھر فضا میں معلق مشکیزہ کے پاس گئے، اور وضو کیا اور نماز شروع کی، تو میں نے بھی وضو کرلیا اور آپ کے بائیں جانب کھڑا ہوگیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے کان کو پکڑا اور ایک روایت کے مطابق میرے بالوں کو پکڑ کر اپنے سے پیچھے کرتے ہوئے اپنے دائیں جانب کھڑا کیا، پھر میں اپنی جگہ آ گیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ پھر سہ بارہ ایسا ہی کیا، تو جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: اے لڑکے! جس جگہ میں نے تمہیں کھڑا کیا، وہاں کھڑے ہونے سے تمہیں کیا چیز مانع تھی؟ تو میں نے جواب دیا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، کسی کے لیے مناسب نہیں کہ وہ آپ کے برابر کھڑا ہو، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اَللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ وَعَلِّمْهُ التَّأْوِيْلَ" یا اللہ! اس لڑکے کو دین میں فہم وبصیرت عطا فرما اور اس کو تاویل سکھا۔ (۲)

بہتر ہے کہ مقتدی امام کے دائیں جانب کھڑا ہو

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت ابن عباسؓ کو دائیں جانب کھڑا کرنا، اس بات کی دلیل ہے کہ بہتر ہے کہ مقتدی امام کے دائیں جانب کھڑا ہو، جب کہ امام کے علاوہ ایک ہی شخص ہو، اسی طرح حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بائیں جانب کھڑے ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے دائیں جانب کھڑا کیا۔ (۳)

(۱) سورۂ بقرہ آیت ۱۶۴۔

(۲) مسند احمد جلد ۱ / حدیث نمبر ۲۶۶۔

(۳) مجمع الزوائد جلد ۱ / حدیث ۱۷۹۔

مقتدی کی انگلیاں امام کے ایڑیوں کے پاس رہیں

''ظاہر الروایۃ'' میں ہے کہ جب دائیں جانب کھڑا ہو تو امام سے پیچھے نہ رہے، اور امام محمد سے مروی ہے کہ مناسب ہے کہ اس کی انگلیاں امام کی ایڑیوں کے پاس رہیں اور یہی عوام الناس میں رائج ہے۔ اگر مقتدی امام سے لمبا ہو، اور اس کے سجدے امام سے آگے ہو رہے ہوں، تو کوئی حرج نہیں ہے؛ کیونکہ کھڑے ہونے کی جگہ کا اعتبار ہے، سجدے کی جگہ کا اعتبار نہیں، ایسے ہی اگر صف میں کھڑا ہو، اور لمبا ہونے کی وجہ سے اس کے سجدے امام سے آگے ہو رہے ہوں، تو جائز ہے۔ اگر امام کی بائیں جانب کھڑا ہو تب بھی جائز ہے، اس لیے کہ جواز کا تعلق ارکان سے ہے، اور اس لیے بھی کہ حضرت ابن عباس اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہم ابتداء نماز میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بائیں جانب کھڑے ہوئے تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اقتداء جائز قرار دی؛ لیکن یہ مکروہ ہے؛ کیونکہ وہ منتخب جگہ کو چھوڑنے والا ہے، اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عباس اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہم کو اپنے دائیں جانب پھیر دیا تھا۔

اگر مقتدی امام کے بائیں جانب کھڑا ہو تو مقتدی گنہگار ہوگا

اگر پیچھے کھڑا ہو تو جائز ہے، لیکن کیا یہ مکروہ ہے؟ اس سلسلے میں امام محمد سے صراحتاً کراہت منقول نہیں ہے، اور مشائخ کا اس میں اختلاف ہے، بعض حضرات کہتے ہیں مکروہ نہیں، کیونکہ امام کے پیچھے کھڑا ہونے والا دونوں جانبوں میں سے دائیں جانب کھڑا ہے، تو یہ سنت سے اعراض نہیں ہے، بخلاف بائیں جانب کھڑے ہونے والے کے، اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ مکروہ ہے، کیونکہ یہ صف کے پیچھے تنہا نماز پڑھنے والے کے حکم میں ہو گیا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''صفوں کے پیچھے تنہا نماز پڑھنے والی کی نماز درست نہیں ہے''۔(۱)

اور نہی کا ادنی درجہ کراہت ہے، اور یہ اختلاف امام محمدؒ کے اس قول سے پیدا ہوا ہے، جس

---

(۱) ابن ماجہ ۱۰۰۳۔

میں انہوں نے فرمایا کہ اگر اس کے پیچھے نماز پڑھے تو جائز ہے، اسی طرح اگر امام کے بائیں جانب کھڑا ہو تو وہ گنہگار ہوگا، اور بعض نے گناہ ہونے کا جواب مذکورہ دونوں فعلوں میں سے آخری فعل کی طرف پھیرا ہے، اور بعض نے دونوں طرف محمول کیا ہے، یہی صحیح ہے، اس لئے کہ ایک کا دوسرے پر عطف ہے۔

صف میں ترتیب ضروری ہے

جب امام کے ساتھ کوئی عورت ہو تو اس کو اپنے پیچھے کھڑا کرے، اس لیے کہ اس کا محاذات میں ہونا نماز کو فاسد کرنے والا ہے، اور یہی مسئلہ خنثی مشکل کا ہے؛ کیونکہ اس کے عورت ہونے کا احتمال ہے، اگر امام کے ساتھ ایک مرد اور ایک عورت ہو یا ایک مرد اور ایک مخنث ہو تو مرد کو اپنے دائیں جانب کھڑا کرے اور عورت یا مخنث کو اپنے پیچھے کھڑا کرے، اور اگر اس کے ساتھ دو مرد اور ایک عورت یا مخنث ہو تو دونوں مردوں کو اپنے پیچھے اور پھر ان کے پیچھے عورت یا مخنث کو کھڑا کرے، اور اگر بہت سارے مرد اور عورتیں اور بچے اور مخنث اور مراہق بچیاں جمع ہو جائیں، اور ان کا ارادہ جماعت کے لیے صف بندی کرنے کا ہو، تو امام سے قریب مردوں کی صف ہوگی، پھر بچوں کی، پھر مخنثوں کی، پھر عورتوں کی، پھر مراہق بچیوں کی، یہی ترتیب جنازے میں ہوگی، اگر مرد، بچہ، مخنث اور عورت اور مراہق بچی کے جنازے ایک جگہ جمع ہو جائیں، اور یہی حکم ان شہیدوں کا ہوگا جنہیں ضرورت کے وقت ایک ہی گڈھے (قبر) میں دفن کرنا ہو۔(۱)

اور ''کتاب الفقہ'' میں ہے کہ امام کے لیے مناسب ہے کہ قوم کے درمیان کھڑا ہو، اگر وہ لوگوں کے بائیں یا دائیں کھڑا ہوتا ہے تو سنت کی مخالفت کرنے کی وجہ سے گنہگار ہوگا۔(۲)

---

(۱) بدائع جلد ۱ رصفحہ ۳۹۲۔

(۲) کتاب الفقہ جلد ۱ رصفحہ ۳۸۳۔

مقتدی کی افضل جگہ

جب مقتدی مرد ہو، تو امام سے زیادہ قریب کھڑا ہو، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ''مردوں کی سب سے بہترین صف پہلی صف ہے اور سب سے بدترین صف آخری صف ہے''۔(۱)

جب امام سے قریب ہونے میں تمام جگہیں برابر ہوں تو امام کے دائیں جانب کھڑا ہونا اولی ہے، اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اچھے امور میں دائیں جانب کو پسند فرماتے تھے۔(۲)

اور جب صفوں میں کھڑے ہوں، تو سیدھے اور اپنے کاندھوں کو ملا کر کھڑے ہوں، کیونکہ حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''صفیں سیدھی کرلیا کرو اور کاندھے کو کاندھے سے ملا کیا کرو''۔(۳)

عورت خلا کو پر کرنے کیلئے آگے نہ بڑھے

مناسب ہے کہ افضل القوم پہلی صف میں کھڑا ہو، تاکہ امام کو حدث وغیرہ لاحق ہونے کی صورت میں وہ امامت کا فریضہ انجام دے سکے، پہلی صف، دوسری صف سے اور دوسری، تیسری سے افضل ہے، اسی طرح آخر تک، اور اگر صف میں خلا ہے، تو اس خلا کو پر کرنے والے شخص کے لیے مناسب ہے کہ اس صف میں کھڑا ہونے کا اہل ہو، چنانچہ عورت کے لیے جائز نہیں ہے کہ کسی صف کا خلا پر کرنے کے لیے اپنی مشروع جگہ سے آگے بڑھ جائے، کیونکہ اس کے لیے اس صف میں کھڑا ہونا مشروع نہیں ہے، البتہ بچے، مردوں کے مرتبہ میں ہیں، جب صف ناقص ہو، تو ان کے لیے بہتر ہے کہ صف پوری کرلیں، جب کہ وہاں پر کوئی مرد تکمیل صف کے لئے موجود نہ ہو، اس مسئلہ میں ائمہ ثلاثہ کا اتفاق ہے؛ لیکن ائمہ احناف کا اختلاف ہے، وہ کہتے ہیں کہ جب لوگوں میں ایک بچہ کے علاوہ کوئی نہ ہو تو اس کو مردوں کی صف میں ضم

---

(۱) مسلم جلد۱/حدیث نمبر۳۲۶۔

(۲) مسند احمد جلد۶/حدیث نمبر۹۴/بخاری حدیث نمبر۵۳۸۰۔

(۳) بدائع الصنائع جلد۱/صفحہ۳۹۳۔

کر دیا جائے گا اور اگر متعدد بچے ہوں، تو انہیں الگ صف میں کھڑا کیا جائیگا، اور ان سے مردوں کی صف کو مکمل نہیں کیا جائے گا۔

نماز سے پہلے صفوں کو درست کریں

لوگوں کے لیے مناسب ہے کہ جب نماز کے لیے کھڑے ہوں تو صفوں کو سیدھی کرلیں، خالی جگہ کو پُر کرلیں اور کاندھے سے کاندھا ملالیں، جب کوئی شخص نماز پڑھنے کے لیے آئے اور امام کو رکوع میں پائے تو اگر صف کے اخیر میں خلا ہے تو صف کے باہر تکبیر تحریمہ نہ کہے، بلکہ اس خلا کو پر کر کے تکبیر تحریمہ کہے، اگر چہ وہ رکعت چھوٹ جائے، اور اس کے لیے مکروہ ہے کہ صف کے باہر تحریمہ باندھے، اسی طرح اگر صف کے اخیر میں خلا ہو نہ ہو لیکن دوسری صفوں میں خلا ہو تو پہلے اس کو پر کرے، تب نماز شروع کرے، ورنہ مکروہ ہے، اگر صف میں خلا نہیں ہے تو صف کے پیچھے نماز شروع کرے اور اگر عمل کثیر (جو مفسد نماز ہے) کا خدشہ نہ ہو تو اگلی صف سے ایک آدمی کو اپنے پاس کھینچ کر ملالے، تا کہ ایک نئی صف بن جائے، اگر عمل کثیر کا خدشہ ہے تو ایسا نہ کرے، اگر صف کے پیچھے تنہا نماز پڑھتا ہے تو یہ مکروہ ہے۔

اور جب مقتدی نماز میں ہو پھر اپنے سامنے خلا دیکھے تو اس کے لیے بہتر ہے کہ ایک صف کی مقدار چل کر اس خلا کو پر کردے اور اگر مقتدی مذکور دوسری صف میں ہو اور پہلی صف میں خلا دیکھے تو اس کے لیے جائز ہے کہ اس کو پر کردے، لیکن اگر وہ تیسری صف میں ہو اور خلا پہلی صف میں ہو، تو اسے پر کرنے کے لیے نہ چلے، اگر وہ چلتا ہے تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی، اس لیے کہ یہ عمل کثیر ہے اور عمل کثیر مفسد نماز ہے۔(۱)

---

(۱) کتاب الفقہ جلد ۱ رصفحہ ۳۸۳۔
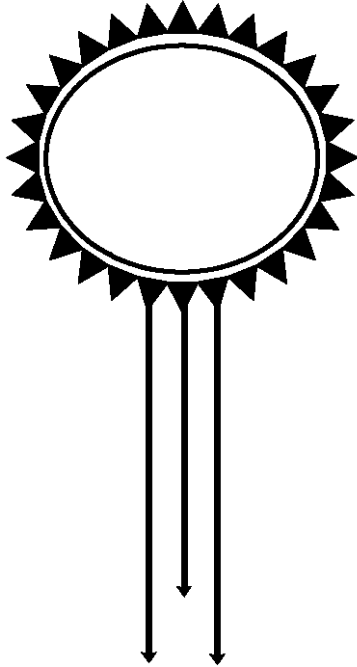
آٹھواں باب

نماز میں نائب بنانے کا حکم

آٹھواں باب

نماز میں نائب بنانے کا حکم

استخلاف کی تعریف اور اس کی مشروعیت کی حکمت

فقہاء کی اصطلاح میں خلیفہ بنانے کا مطلب یہ ہے کہ امام یا مقتدی میں سے کوئی شخص مندرجہ ذیل اسباب کی وجہ سے امامت کے لیے موزوں شخص کو نائب امام بنائے تا کہ وہ ان کی نماز ان کے امام کے بدلے پوری کرائے، جیسے امام جماعت سے ایک رکعت یا دو رکعت یا اس سے کم یا زیادہ پڑھا دے، پھر اسے نماز کے درمیان کوئی ایسا عذر پیش آ جائے جو نماز پوری کرنے کے لیے مانع ہو، جیسے اچانک کسی مرض یا کسی حدث کا لاحق ہونا یا دیگر کسی موانع نماز کا طاری ہونا، تو ایسی حالت میں صحیح ہے کہ امام اپنے پیچھے والے یا پھر مقتدیوں میں سے کسی کو اختیار کرے اور امام بنائے تا کہ وہ مقتدیوں کو بقیہ نماز پڑھائے، اگر امام ایسا نہیں کرتا ہے تو مقتدیوں کو چاہئے کہ اپنے میں سے کسی کا انتخاب کریں اور اسے اس امام کے بدلے بغیر بات کئے اور قبلہ سے رخ پھیرے ہوئے، نائب امام بنا دیں۔

شاید کوئی یہ اعتراض کرے کہ ایسا کیوں کیا جائے؟ کیا معقول آسانی اس میں نہیں ہے کہ جب امام کو نماز کے درمیان کوئی شرعی عذر پیش آ جائے تو نماز باطل ہو جائے گی اور اس کے علاوہ کوئی دوسرا امامت کے لیے موزوں شخص آئے اور جماعت سے نماز پڑھائے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اسلامی شریعت میں نماز کی بڑی اہمیت ہے، تو جب انسان نماز پڑھنا شروع کر دے اور اپنے رب کے سامنے خشوع وخضوع کے ساتھ مناجات کرنے کے لیے کھڑا

ہو جائے تو اس کے لیے مناسب ہے کہ اپنے اس موقف کی حفاظت کرے، یہاں تک کہ نماز سے فارغ ہو جائے، تو اگر اس سے نماز میں کوئی سہو ہو جائے تو اس کو ادا کرے اور سجدۂ سہو کرے اور اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ نماز شروع کرنے کے بعد کامل طریقہ سے اس کی ادائیگی ہو، اس لیے کہ یہ ان اعمال میں سے ہے جو اسلامی شریعت میں لازم ہیں، لہٰذا کسی بھی حال میں ان میں تساہل اور کوتاہی کرنا مناسب نہیں ہے۔

نائب بنانے کے اسباب

نماز میں نائب امام بنانے کے اسباب مندرجہ ذیل ہیں:

امام کو نماز میں بغیر اختیار کے حدث لاحق ہو جائے، جیسے اس سے خون نکل آئے یا ریح خارج ہو جائے یا ہر وہ نجاست جو انسان کے بدن سے نکلتی ہے، نکل جائے، اس حال میں کہ وہ نماز پڑھا رہا ہو، البتہ جب ایسی نجاست لاحق ہو جائے جو نماز کو جاری رکھنے میں مانع ہو یا ارکان نماز میں ایک رکن کی مقدار ستر عورت کھل جائے وغیرہ، تو امام اور مقتدی دونوں کی نماز فاسد ہو جائے گی، اس حالت میں نائب بنانا صحیح نہیں ہے، جس طرح جب امام قہقہہ لگا کر ہنس دے یا اس پر جنون یا بے ہوشی وغیرہ طاری ہو جائے تو نائب بنانا جائز نہیں ہے، لیکن ہاں! جب ضروری مقدار کی قراءت سے عاجز ہو، تو نائب بنانا جائز ہے، لیکن جب بول و براز کی رکاوٹ کی وجہ سے رکوع وسجود سے عاجز ہو تو نائب نہیں بنائے گا کیونکہ بیٹھ کر نماز پڑھنا ممکن ہے اور مقتدی اس حالت میں اس کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھیں گے، امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی یہی رائے ہے، اور جب کسی نقصان یا مال کے ضائع ہونے کا خوف ہو تو نائب نہیں بنائے گا بلکہ نماز توڑ دے گا اور مقتدی از سر نو نماز پڑھیں گے۔(۱)

نماز میں نائب بنانے کا حکم

نائب بنانا افضل ہے، بایں طور اگر امام یا مقتدی کسی کو نائب نہیں بناتے اور ان میں سے

(۱) کتاب الفقہ جلد ۱ رصفحہ ۳۹۴۔

کوئی بغیر نائب بنائے آگے نہیں بڑھتا تو نماز باطل ہو جائے گی اور افضل کی مخالفت کے ساتھ شروع سے نماز کا اعادہ کریں گے، لیکن شرط یہ ہے کہ نماز کی ادائیگی کے لیے وقت میں وسعت ہو، اگر وقت تنگ ہے تو نائب بنانا واجب ہے، فقہاء کے نزدیک اس مسئلہ میں جمعہ وغیرہ میں کوئی فرق نہیں ہے، اور جب امام نے ایک فرد کو نائب بنادیا اور مقتدیوں نے دوسرے کو نائب بنادیا تو جس کو امام نے نائب بنایا ہے اس کے پیچھے نماز درست ہوگی اور جب مقتدیوں میں سے کوئی بغیر نائب بنائے ہوئے آگے بڑھ جائے اور ان کی نماز پوری کرادے تو یہ بھی صحیح ہے؛ لیکن جب نہ امام نے کسی کو خلیفہ بنایا اور نہ لوگوں نے یا بغیر خلیفہ بنائے ہوئے ایک آگے بڑھ گیا اور لوگوں نے تنہا تنہا نماز پڑھی، تو سب کی نماز باطل ہو جائے گی۔(۱)

صحت نیابت کے شرائط

نیابت کے صحیح ہونے کے لیے مندرجہ ذیل تین شرطیں ہیں:

پہلی شرط

امام نائب بنانے سے پہلے اس مسجد سے باہر نہ نکلے، جس میں نماز پڑھارہا ہو، اگر وہ نکل جاتا ہے تو نائب بنانا صحیح نہیں ہوگا، نہ اس کی جانب سے اور نہ ہی لوگوں کی جانب سے؛ کیونکہ اس کے نکلنے کی وجہ سے سب کی نماز باطل ہو جائے گی۔

دوسری شرط

نائب امامت کے لیے موزوں ہو، اگر امی (ان پڑھ، جاہل) یا نابالغ بچے کو نائب بنادیا تو سب کی نماز باطل ہو جائے گی، اور نائب بنانے کی صورت یہ ہے کہ اپنے ہاتھ کو ناک پر رکھ کر جھکتے ہوئے پیچھے آئے جیسا کہ نکسیر کی وجہ سے خون زور سے بہہ رہا ہو، حالانکہ یہ خلاف واقع ہے؛ لیکن اس میں حکمت واضح ہے کہ نماز کے نظم ونسق اور عام آداب کی حفاظت ہو جاتی ہے۔

(۱) کتاب الفقہ جلد۱رصفحہ۳۹۵۔

تیسری شرط

جو نماز ادا کی جارہی ہے، اس پر بنا کرنے کی شرطیں پوری پائی جاتی ہوں، اگر یہ شرطیں نہ پائی جائیں، تو نماز باطل ہو جائیگی، اور نائب بنانا صحیح نہ ہوگا، نماز پر بنا کرنے کی گیارہ شرطیں ہیں:

(۱) حدث مجبوراً وقہراً ہو، یعنی غیر اختیاری ہو۔

(۲) حدث اس کے بدن سے ہو، اگر کوئی نجاست مانع صلاۃ لاحق ہو تو اس کے لیے بنا کرنا جائز نہیں ہے۔

(۳) حدث ایسا ہو جس سے غسل واجب نہ ہو جیسے فکر وسوچ کی وجہ سے انزال ہونا۔

(۴) حدث نادر نہ ہو جیسے قہقہہ اور بے ہوشی اور جنون۔

(۵) امام حدث کے ساتھ نہ کوئی رکن ادا کرے اور نہ چلے۔

(۶) کوئی منافی صلاۃ کام نہ کرے جیسے غیر اختیاری حدث کے بعد عمداً حدث کرے۔

(۷) غیر ضروری کام نہ کرے، جیسے قریب میں پانی موجود ہونے کے باوجود دور پانی کے لیے جائے۔

(۸) بغیر عذر ایک رکن کے بقدر دیر نہ کرے، جیسے بھیڑ ہو۔

(۹) یہ واضح نہ ہو کہ نماز میں داخل ہونے سے پہلے وہ محدث تھا۔

(۱۰) اگر وہ صاحب ترتیب ہے تو چھوٹی ہوئی نماز یاد نہ آئے۔

(۱۱) مقتدی دوسری جگہ نماز پوری نہ کرے، اگر امام یا مقتدی کو حدث لاحق ہو جائے، پھر وہ وضو کے لیے جائے، تو وضو کے بعد اس پر ضروری ہے کہ واپس آ کر امام کے ساتھ نماز پڑھے، اگر منفرد ہے تو اسے اختیار ہے، اگر چاہے تو اسی جگہ نماز پوری کرے، یا دوسری جگہ پوری کرے۔(۱)

---

(۱) کتاب الفقہ جلد ۱ رصفحہ ۳۹۷۔
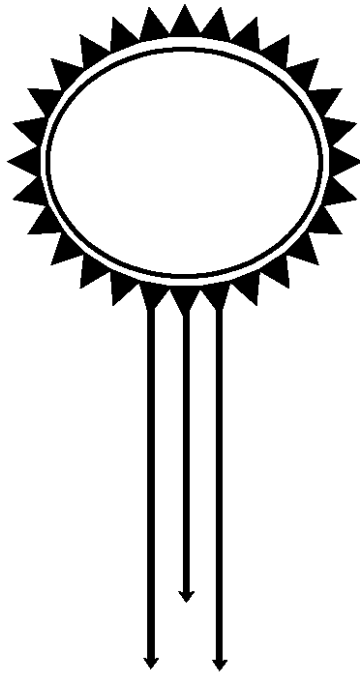
نواں باب

سجدۂ سہو کا بیان

نواں باب

سجدۂ سہو کا بیان

عربی زبان میں سجدہ سہو کا مطلب

عربی زبان میں سجدہ کا اطلاق مطلقاً خضوع پر ہوتا ہے، خواہ پیشانی کو زمین پر رکھ کر ہو یا پھر خضوع کی علامات میں سے کسی علامت کے ذریعہ ہو، جیسے طاعت وفرمانبرداری اور عربی زبان میں سہو کا مطلب انجانے میں کسی کام کو چھوڑ دینا ہے، جب کہا جاتا ہے کہ "سہا فلان" تو اس سے مراد ہوتا ہے (انجانے میں فلاں شخص نے کام کو چھوڑ دیا، لیکن جب یہ کہا جائے "سہا عن کذا" تو مطلب ہوگا، جان بوجھ کر کسی کام کو چھوڑ دیا، اس لیے لغوی طور پر "سہا فلان" اور "سہا فلان عن کذا" دونوں جملوں میں فرق ہے۔

نسیان اور سہو میں لغوی اعتبار سے کوئی فرق نہیں

لیکن نسیان اور سہو میں لغوی اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہے، فقہاء کرام تو سہو، نسیان اور شک کے درمیان بھی فرق نہیں کرتے بلکہ ان کے نزدیک سہو، نسیان اور شک ایک ہی معنی میں مستعمل ہوتے ہیں، البتہ یہ حضرات ظن (گمان) اوران تینوں لفظوں کے درمیان تفریق کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ ظن تو راجح پہلو کے ادراک کا نام ہے، چنانچہ جب کسی کے نزدیک راجح ہوجائے کہ اس نے ایسا کیا ہے تو وہ گمان کرنے والا کہلائے گا۔

اس کے برعکس سہو، نسیان، شک یہ فعل کے ادراک اور عدم ادراک میں برابر ہیں، بغیر ترجیح کے کہا جائے گا کہ اس نے ایسا کیا ہے یا نہیں کیا ہے، لغت میں سجدۂ سہو کا یہی مطلب ہے۔

فقہاء کی اصطلاح میں سجدۂ سہو کا مطلب

فقہاء کی اصطلاح میں سجدۂ سہو کسے کہتے ہیں، اس کا محل اور اس میں نیت کا بیان مندرجہ ذیل ہے:

''علماء احناف کہتے ہیں کہ سجدۂ سہو کا مطلب یہ ہے کہ نمازی صرف دائیں طرف سلام پھیرنے کے بعد دو سجدے کرے، پھر دونوں سجدوں کے بعد تشہد پڑھے اور تشہد کے بعد سلام پھیرے، اگر وہ تشہد نہ پڑھے تو واجب کو چھوڑنے والا ہوگا لیکن اس کی نماز صحیح ہو جائے گی اور سجدۂ سہو کے تشہد سے فارغ ہونے کے بعد سلام پھیرنا ضروری ہے، اگر سلام نہیں پھیرے گا تو واجب کو چھوڑنے والا ہوگا، اور پہلا سلام جس کی وجہ سے نماز ختم کرتا ہے، اس کے لیے کافی نہ ہوگا، اس لیے کہ سجدۂ سہو اس کو ختم کر دیتا ہے، جس طرح آخری تشہد جو سلام سے پہلے ہے، ختم ہو جاتا ہے، البتہ سلام سے پہلے اخیر تشہد میں درود شریف اور دعا پڑھے گا اور مختار قول کے مطابق سجدۂ سہو کے وقت ان دونوں کو نہیں پڑھے گا، اور بعض نے کہا ہے کہ احتیاطاً درود شریف اور دعا بھی سجدۂ سہو کے وقت پڑھے گا، ان لوگوں کا یہ کہنا کہ صرف دائیں طرف سلام پھیر کر سجدۂ سہو کرے، اس سے یہ صورت نکل گئی جب کہ دوسرا سلام پھیر دیا ہو تو دونوں طرف سلام پھیرنے کی وجہ سے سجدۂ سہو صحیح قول کے مطابق ساقط ہو جائے گا، اگر عمداً ایسا کرتا ہے تو واجب چھوڑنے کی وجہ سے گنہ گار ہوگا، اور اگر اس نے بھولے سے دونوں طرف سلام پھیر دیا، تو اس سے سجدۂ سہو ساقط ہو گیا اور اس پر کوئی گناہ نہیں، اور دوبارہ سجدۂ سہو کا اعادہ نہیں ہوگا، اس لیے کہ سجدۂ سہو کا بھولنا اس کو ساقط کر دیتا ہے، اسی طرح عمداً یا سہواً نماز کے درمیان کوئی بات کرے جو مانع نماز ہے، تب بھی سجدۂ سہو ساقط ہو جائے گا، جب عمداً واجب یا رکن نماز وغیرہ چھوڑ دے تو سجدۂ سہو واجب نہیں ہوتا ہے، اس لیے کہ عمداً واجب چھوڑنے سے گناہ کے ساتھ نماز صحیح ہوگی، اور سجدۂ سہو ساقط ہو جائے گا، اور اگر عمداً رکن چھوڑتا ہے تو نماز باطل ہو جائے گی، اور سجدۂ سہو کا اس کی تلافی اور انجبار نہیں کرے گا، اس لیے کہ حنفیہ کے

نزدیک صرف سہو کی وجہ سے سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے، اور عمداً واجب یا رکن چھوڑنے کی وجہ سے سجدۂ سہو مشروع نہیں ہے۔

سجدۂ سہو میں نیت

کیا سجدۂ سہو کے لیے نیت ضروری ہے یا نہیں؟ اس میں فقہاء کا اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں کہ سجدۂ سہو کے لیے نیت ضروری نہیں ہے، اس لیے کہ نماز میں واجب کی ادائیگی میں کوتاہی یا کوئی واقع خلل کو پورا کرنے کے لیے سجدۂ سہو مشروع ہوا ہے، تاکہ اس کی اصلاح کر لی جائے اور نماز کے ہر جزء کے لیے نیت کرنا ضروری نہیں ہے، لہٰذا سجدۂ سہو کے لیے بھی نیت ضروری نہیں ہے۔

اور بعض کہتے ہیں کہ نیت ضروری ہے اس لیے کہ یہ بھی نماز ہے اور نماز بغیر نیت کے صحیح نہیں ہوتی ہے، تو جس طرح سجدۂ تلاوت اور سجدۂ شکر کے لیے نیت ضروری ہے، اسی طرح سجدۂ سہو کے لیے بھی نیت ضروری ہے، اس لیے کہ یہ سبھی نماز کی طرح ہیں، تو جس طرح نماز کے لیے نیت ہے، اسی طرح ان کے لیے بھی نیت ضروری ہے، یہ دوسرا قول زیادہ واضح ہے، اور اس پر عمل کرنے میں احتیاط ہے۔(۱)

سجدۂ سہو کے اسباب

سجدۂ سہو مشروع ہونے کیلئے مندرجہ ذیل اسباب ہیں:

پہلا سبب

نماز میں ایک رکعت یا اس سے زیادہ گھٹا بڑھا دے، تو جب اسے یقین ہو جائے کہ نماز میں ایک رکعت زیادہ کر دی مثلاً ظہر کی نماز چار رکعت پڑھی، پھر پانچویں رکعت کے لیے کھڑا ہو جائے اور رکوع سے سر اٹھانے کے بعد پتہ چلے کہ یہ پانچویں رکعت ہے، تو اس حالت میں اس

(۱) کتاب الفقہ جلد ۱/صفحہ ۳۹۹۔

کے لیے مناسب ہے کہ بیٹھنے سے پہلے سلام پھیر کر نماز ختم کرے، لیکن اولی اور بہتر یہ ہے کہ بیٹھ جائے پھر سلام پھیرے؛ لیکن مذکورہ دونوں حالتوں میں سجدۂ سہو کرنا ضروری ہے، اور رکعت کم ہونے کی مثال یہ ہے کہ جب یقین ہو جائے کہ ظہر کی تین رکعت نماز پڑھی اور بیٹھ جائے پھر یاد آئے، تو اس کے لیے ضروری ہے کہ چوتھی رکعت کے لیے کھڑا ہو جائے، پھر تشہد اور درود شریف پڑھے، پھر پہلی کیفیت کے مطابق سجدۂ سہو کرے، البتہ جب نماز میں شک واقع ہو جائے، اور اسے معلوم نہ ہو کہ کتنی رکعت نماز پڑھی ہے، تو وہ دو حال سے خالی نہیں ہے، یا تو شک کبھی کبھی واقع ہوتا ہو اور اس کا عادی نہیں ہے، یا شک واقع ہونا اس کی عادت ہو، تو اگر شک نادر ہے اور کبھی کبھی ہوتا ہو، تو اس پر ضروری ہے کہ نماز توڑ دے اور نئے سرے سے نماز پڑھے، اور یہ بھی ضروری ہے کہ منافی نماز فعل سے نماز توڑے، صرف نیت سے نماز توڑنا کافی نہیں ہے اور یہ تو معلوم ہے ہی کہ لفظ سلام سے نماز توڑنا واجب ہے، اور اس کے لیے اس حالت میں ضروری ہے کہ بیٹھ جائے، پھر سلام پھیرے، اگر کھڑے ہو کر سلام پھیرتا ہے تو یہ صحیح تو ہے؛ لیکن خلاف اولی ہے، اور جب نماز میں شک اس کی عادت ہو، تو نماز نہ توڑے بلکہ اپنے ظن غالب پر بناء کرے مثلاً ظہر کی نماز پڑھی اور تیسری رکعت میں شک واقع ہو جائے کہ تین رکعت پڑھی ہے یا چار رکعت پڑھی، تو غالب گمان پر عمل کیا جائے گا، اگر اسے غالب گمان ہو کہ وہ چوتھی رکعت میں ہے، تو اس پر واجب ہے کہ بیٹھ جائے اور تشہد اور درود شریف پڑھے، پھر سلام پھیرے اور سجدۂ سہو کرے، اور اگر غالب گمان یہ ہو کہ وہ تیسری رکعت میں ہے تو اس پر واجب ہے کہ چوتھی رکعت پوری کرے، اور اسی طرح تشہد و درود شریف وغیرہ پڑھے پھر سلام کے بعد پہلی کیفیت کے مطابق سجدۂ سہو کرے، مذکورہ بالا حکم اس وقت ہے جب کہ وہ تنہا نماز پڑھ رہا ہو؛ لیکن جب وہ امام ہو اور نماز میں شک واقع ہو جائے اور مقتدی یہ یقین دلائیں کہ اس نے نماز میں کمی یا زیادتی کی ہے، تو اس کے لیے ضروری ہے کہ مقتدی کے قول پر عمل کرتے ہوئے نماز دہرائے، اور جب امام اور مقتدی میں اختلاف ہو جائے اور سارے مقتدی اس پر متفق ہو جائیں کہ اس نے تین رکعت پڑھی ہے،

اورامام کہے کہ مجھے یقین ہے کہ میں نے چار رکعت پڑھی ہے، تو اپنے یقین پر عمل کرتے ہوئے نماز نہ دہرائے، لیکن جب مقتدیوں میں سے ایک یا ایک سے زیادہ لوگ امام کے ساتھ ہو جائیں، تو امام کی بات پر عمل کیا جائے گا، اور جب امام کو شک لاحق ہو، اور بعض مقتدیوں کو نماز پوری ہونے کا یقین اور بعض کو شک ہو تو جسے شک ہے اسی پر اعادہ لازم ہے، لیکن جب امام کو پوری نہ ہونے کا شک ہو، تو سب کو لوٹانا ضروری ہے، ہاں! جب سب کو پوری نماز ہونے کا یقین ہو جائے تو اعادہ واجب نہیں ہے، اور جب مقتدیوں میں سے ایک کو نماز میں کمی کا یقین ہو، اور امام اور سارے لوگوں کو شک ہو، تو اگر وقت ہے تو احتیاطاً اعادہ کرنا اولی اور بہتر ہے، ورنہ نہیں، اور یہ حکم اس وقت ہے جب کوئی عادل خبر دے، اور اگر مقتدیوں کے علاوہ کوئی اور شخص نماز کے بعد خبر دے کہ ظہر کی نماز تین رکعت ہوئی اور اس کے صدق وکذب میں شک ہو تو احتیاطاً نماز لوٹائی جائے گی، اور اگر دو عادل شخص خبر دیں تو ان کے قول پر عمل کیا جائے گا اور شک کا اعتبار نہیں ہوگا، لیکن جب خبر دینے والا عادل نہ ہو تو اس کی خبر کو قبول نہیں کیا جائے گا، اور جب نیت یا تکبیر تحریمہ میں شک ہو یا نماز کی حالت میں یہ شک ہو کہ اسے حدث لاحق ہوا یا کوئی نجاست وغیرہ لگی ہے، تو اگر یہ شک پہلی مرتبہ ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ نماز توڑ دے اور شک کو دور کرے اور نماز کا اعادہ کرے؛ لیکن اگر شک اس کی عادت ہو تو اس کی پرواہ نہ کرے اور نماز پوری کرے، جب شک نماز کے بعد ہو تو نقصان دہ نہیں ہے۔

دوسرا سبب

قعدۂ اخیرہ جو فرض ہے، اس میں سہو ہو جائے اور کھڑا ہو جائے تو اس صورت کا حکم یہ ہے کہ قیام سے لوٹ جائے اور تشہد کے بقدر بیٹھے، پھر سلام پھیرے، پھر سجدہ سہو کرے، اس لیے کہ یہ قعدہ اخیرہ ہے اور اپنی جگہ فرض ہے، پھر اگر وہ اپنی نماز جاری رکھے اور بیٹھنے سے پہلے سجدہ کرے تو اس کی نماز محض سجدہ سے سر اٹھانے سے نفل ہو جائے گی، اور اس کے ساتھ چھٹی رکعت ملا لے، اور اگر عصر کی نماز میں ایسا ہو تو اس حالت میں صحیح قول کے مطابق سجدۂ سہو نہیں کیا جائے گا، اس لیے کہ نماز کا نفل میں منتقل ہو جانا، اس سے سجدۂ سہو ختم کر دیتا ہے، برخلاف

اس صورت کے جب کہ وہ نماز اصل میں نفل ہی ہو، تو سجدہ سہو کرے گا، اور اس فرض نماز کو لوٹانا ہر حال میں ضروری ہوگا، جو نفل ہوگئی تھی۔

تیسرا سبب

قعدہ اولی میں سہو ہو جائے جو کہ واجب ہے، فرض نہیں، تو اگر فرض میں قعدۂ اولی میں بیٹھنا بھول جائے یعنی دوسری رکعت میں نہ بیٹھے اور کھڑا ہو جائے تو اگر کھڑا ہونے سے پہلے یاد آجائے اور دوبارہ بیٹھ جائے، تو اس کی نماز درست ہو جائے گی، اور اس پر سجدۂ سہو واجب نہیں ہوگا، اور اگر سیدھے کھڑا ہو جانے کے بعد یاد آئے تو تشہد کے لیے نہ لوٹے، اور اگر لوٹ جاتا ہے، تو بعض لوگ کہتے ہیں اس کی نماز باطل ہو جائے گی، اس لیے کہ پہلے تشہد کے لیے بیٹھنا فرض نہیں اور قیام فرض ہے، اور وہ نفل میں مشغول ہو گیا اور فرض کو ایسے کام کے لیے چھوڑ دیا جو فرض نہیں بلکہ نماز کو باطل کرنے والا ہے، لیکن تحقیقی بات یہ ہے کہ اس کی نماز اس عمل سے باطل نہیں ہوگی، اس لیے کہ اس نے اس حالت میں فرض قیام کو ترک نہیں کیا ہے، بلکہ اس کو مؤخر کیا ہے، اور اس کی مثال یہ ہے کہ اگر سورت پڑھنا بھول جائے اور رکوع کرلے تو اس کا رکوع باطل ہو جائے گا، اور وہ قیام کے لیے لوٹے گا اور سورت پڑھے گا، تو اس کی نماز صحیح ہو جائے گی اور رکن یا فرض کو اپنے محل سے مؤخر کرنے کی وجہ سے اس پر سجدۂ سہو واجب ہوگا، یہ حکم اس وقت ہے جب کہ وہ منفرد یا امام ہو، لیکن جب وہ مقتدی ہو، اور وہ کھڑا ہو جائے اور اس کا امام تشہد کے لیے بیٹھ جائے، تو اس پر واجب ہے کہ وہ بھی بیٹھ جائے، اس لیے کہ امام کی اتباع کرنے کی وجہ سے اس پر بیٹھنا ضروری ہے۔

چوتھا سبب

ایک رکن کو دوسرے رکن، یا پھر ایک رکن کو دوسرے واجب پر مقدم کردے، پہلی کی مثال یہ ہے کہ رکوع کو فرض قراءت پر مقدم کردے یعنی تکبیر تحریمہ کہہ کر ثنا پڑھے، پھر بھول کر قراءت کرنے سے پہلے رکوع کرے، تو جب یاد آئے تو اس پر ضروری ہے کہ لوٹ کر قراءت کرے،

پھر دوبارہ رکوع کرے اور بیان کردہ کیفیت کے مطابق سجدۂ سہو کرے، اگر یاد نہ آئے تو اس رکعت کو بیکار سمجھا جائے گا، اور اس پر واجب ہے کہ سلام سے پہلے ایک رکعت پوری کرے، پھر سلام کے بعد سجدۂ سہو کرے۔

دوسری صورت جب کسی واجب پر کسی رکن کو مقدم کردے، اس کی مثال یہ ہے کہ رکوع کو سورت کی قراءت پر مقدم کردے، تو مذکورہ بالا حکم ہے، اور وہ یہ ہے کہ جب رکوع کے درمیان یاد آجائے تو رکوع سے سر اٹھالے اور سورت پڑھے، پھر دوبارہ رکوع کرے اور اگر اسے یاد نہ آئے تو سلام کے بعد سجدۂ سہو کرے۔

پانچواں سبب

مندرجہ ذیل گیارہ واجبات میں سے کسی واجب کو چھوڑ دے۔

(۱) سورہ فاتحہ کا پڑھنا: اگر فرض نمازوں کی پہلی دو رکعتوں میں سے کسی ایک رکعت میں مکمل سورۂ فاتحہ یا اکثر حصہ پڑھنا چھوڑ دے، تو سجدۂ سہو واجب ہوگا، اگر کم حصہ چھوڑ دے تو سجدۂ سہو واجب نہیں ہے، اس لیے کہ اکثر کے لیے کل کا حکم ہوتا ہے، اور اس حکم میں امام اور منفرد کے درمیان کوئی تفریق نہیں ہے، اسی طرح نفل یا وتر کی کسی رکعت میں سورۂ فاتحہ یا اس کا اکثر حصہ پڑھنا چھوڑ دے، تو اس پر سجدۂ سہو واجب ہے، اس لیے کہ ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے۔

(۲) سورہ فاتحہ کے ساتھ ایک سورت یا چھوٹی تین آیتیں یا تین چھوٹی آیتوں کے برابر ایک بڑی آیت ملانا، اگر کچھ نہیں پڑھا یا ایک چھوٹی آیت پڑھی تو اس پر سجدۂ سہو واجب ہے، اگر دو چھوٹی آیتیں پڑھیں تو سجدۂ سہو نہیں کرے گا، کیونکہ اکثر کے لیے کل کا حکم ہوتا ہے، اگر سورۂ فاتحہ یا سورت کا پڑھنا بھول جائے اور رکوع کرے پھر یاد آجائے تو لوٹ آئے اور جو سورت پڑھنا بھولا ہے، اسے پڑھے، اور اگر سورۂ فاتحہ پڑھنا بھولا ہے تو سورۂ فاتحہ کے اعادہ کرنے کے بعد سورت کا اعادہ کرے، پھر رکوع کا اعادہ کرے اور پھر سجدۂ سہو کرے اور جب

وتر میں دعاءقنوت پڑھنا بھول جائے اور رکوع کے لیے جھک جائے پھر اسے یاد آئے تو دعاء قنوت پڑھنے کے لیے نہ لوٹے بلکہ اس پر سجدۂ سہو بھی واجب ہے،اگر لوٹ جائے اور دعاء قنوت پڑھے تو رکوع مسترد نہ ہوگا اور اس پر سجدۂ سہو بھی واجب ہے،جس نے سورہ فاتحہ بھولے سے دومرتبہ پڑھ لی،اس پر بھی سجدۂ سہو واجب ہے، کیونکہ اس نے سورت اپنی جگہ سے مؤخر کردی۔

اوراگر سورت پڑھنے میں ترتیب آگے پیچھے ہوگئی ہو،مثلاً پہلی رکعت میں سورۃ الضحیٰ پڑھ لی،اوردوسری رکعت میں سورۃ الاعلی پڑھ لی،تو اس پر سجدۂ سہو واجب نہیں ہے، کیوں کہ سورتوں کی ترتیب کی رعایت کرنا نظم قرآن کے واجبات میں سے ہے،نہ کہ نماز کے واجبات میں سے، اور ایسے ہی کسی نے رکوع کو سورت کے آخر سے مؤخر کردیا، بایں طور کہ وہ رکوع کرنے سے پہلے خاموش ہوگیا،تو اس پر سجدۂ سہو واجب نہیں ہے،اور یہ صورت شافعیہ کے نزدیک کثیر الوقوع ہے، جب کہ وہ امامت کررہا ہو۔

(۳) فرض کی پہلی دونوں رکعتوں میں قراءت کو متعین کرنا- اگر صرف آخر کی دونوں رکعتوں میں قرأت کی یا دوسری اور تیسری رکعت میں قراءت کی تو اس پر سجدۂ سہو واجب ہے، بخلاف نفل و وتر کے۔

(۴) ایک رکعت میں فعل مکرر یعنی سجدہ میں ترتیب کی رعایت کرنا،اگر سہواً ایک سجدہ کرلیا، پھر دوسری رکعت کے لیے کھڑا ہوگیا، پھر اس کے دونوں سجدے کر لئے، پھر وہ سجدہ جو پہلی رکعت میں چھوٹ گیا تھا اس کو بھی ملالیا تو اس کی نماز صحیح ہوجائے گی،اوراس پر سجدۂ سہو واجب ہوگا، کیونکہ اس نے واجب یعنی ترتیب کو ترک کیا ہے،لیکن اس پر پہلے سجدہ کا اعادہ کرنا ضروری نہیں ہے، جہاں تک غیر مکرر افعال میں ترتیب کی رعایت نہ کرنے کی بات ہے جیسے تکبیر تحریمہ کہہ کر نماز شروع کرے، پھر رکوع کرے پھر سر اٹھا کر سورۂ فاتحہ اور سورت کی قرأت کرے،تو اس کا رکوع کرنا لغو قرار پائے گا اور قراءت کے بعد دوبارہ رکوع کرنا اس پر ضروری ہوگا اور پہلے رکوع کی زیادتی کی وجہ سے سجدۂ سہو کرے گا۔

(۵) رکوع وسجود میں اطمینان کرنا- اگر کسی نے بھولے سے اطمینان کو ترک کر دیا تو اس پر سجدۂ سہو واجب ہوگا، اور یہی صحیح قول ہے۔

(۶) واجب قعدۂ اولی، خواہ فرض میں ہو یا نفل میں- اور چونکہ قعدہ اخیرہ فرض ہے، پس جو قعدۂ اولی بھول گیا، اور تیسری رکعت کے لیے مکمل کھڑا ہو گیا، تو نماز جاری رکھے اور بعد میں سجدۂ سہو کرے، کیونکہ اس نے واجب (قعدۂ اولی) ترک کیا ہے۔

(۷) تشہد کا پڑھنا- اگر اسے سہواً چھوڑ دے تو سجدۂ سہو کرے، خواہ وہ قعدۂ اولی میں چھوڑے یا قعدہ اخیرہ میں، دونوں کا حکم ایک ہے، یعنی سجدۂ سہو کرے گا۔

(۸) وتر میں دعاء قنوت کا پڑھنا- تو جس نے رکوع سے پہلے اسے نہ پڑھا اور اسے چھوڑ دیا تو سجدۂ سہو واجب ہوگا۔

(۹) دعاء قنوت پڑھنے کے لیے تکبیر کہنا- تو جس نے اسے سہواً چھوڑ دیا، اس پر سجدۂ سہو لازم ہے۔

(۱۰) نماز عیدین میں دوسری رکعت کے رکوع کے لیے تکبیر کہنا- اسے بھی چھوڑنے سے سجدۂ سہو واجب ہو جاتا ہے؛ کیوں کہ یہ واجب ہے، بخلاف تکبیر اولی کے۔

(۱۱) امام کے لئے سری نماز میں سری اور جہری نماز میں جہری قرأت کرنا- اس کے ترک کرنے پر سجدۂ سہو واجب ہو جاتا ہے اور یہ حکم دعا اور ثنا وغیرہ کے لیے نہیں ہے- کیوں کہ اگر ان میں سے کچھ جہری طور پر پڑھ لی تو سجدۂ سہو نہیں کرے گا- اوپر جو تفصیل گزری ہے اس کے مطابق نماز فرض یا نفل میں کوئی فرق نہیں ہے۔(۱)

سجدۂ سہو کا حکم

صحیح قول کے مطابق سجدۂ سہو واجب ہے، اسے چھوڑنے کی وجہ سے نمازی گنہ گار ہوگا، اور اس کی نماز باطل نہیں ہوگی، یہ واجب اس وقت ہوتا ہے جب وقت نماز کے لیے صحیح ہو- پس اگر صبح کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد فوراً سورج طلوع ہو جائے حالانکہ اس پر سجدۂ سہو واجب

(۱) کتاب الفقہ جلد ۱ر صفحہ ۷۰۳۔

تھا، تو اس سے سجدۂ سہو ساقط ہو جائے گا؛ کیونکہ نماز کے لیے وقت باقی نہیں رہا، اور ایسے ہی جب سورج غروب ہونے سے پہلے سرخی میں تبدیلی ہو جائے، حالانکہ وہ عصر کی نماز میں ہو، یا سلام کے بعد کسی ایسے فعل کا ارتکاب کرلیا جو مانع نماز ہے، مثلاً عمداً حدث کردے، یا بات کرلے، اور ایسے ہی سلام کے بعد جب مسجد سے باہر نکل جائے، جس سے بنا ساقط ہو جاتی ہے، تو مذکورہ بالا تمام صورتوں میں اس سے سجدۂ سہو ساقط ہو جائیگا، اور اس پر نماز کا لوٹانا واجب نہ ہوگا، مگر ہاں جب کسی منافی نماز عمل سے سجدۂ سہو ساقط ہو، تو اس پر اعادہ واجب ہے-امام اور منفرد دونوں پر سجدۂ سہو واجب ہے، البتہ مقتدی پر سجدۂ سہو اس وقت واجب نہیں ہے، جب کہ امام کی اقتداء میں اس کی طرف سے کوئی سجدہ سہو کا عمل ہو جائے، اور اگر امام کی طرف سے موجب پیش آئے تو مقتدی پر ضروری ہے کہ سجدۂ سہو کی ادائیگی میں امام کی اتباع کرے-جب امام سجدہ کرے اور مقتدی، مدرک یا مسبوق ہو، اگر امام نے سجدۂ سہو نہ کیا تو مقتدی سے ساقط ہو جائے گا اور نماز کا اعادہ واجب نہیں ہوگا، مگر جب امام کسی عمداً منافی نماز عمل سے اسے چھوڑ دے تو مقتدی پر اعادہ واجب ہے، جیسا کہ امام پر واجب ہے-نماز جمعہ اور عیدین میں سجدۂ سہو کا چھوڑنا بہتر ہے، جب کہ بہت بھیڑ ہو، تا کہ نمازیوں پر معاملہ مشتبہ نہ ہو۔(۱)

---

(۱) کتاب الفقہ جلد ۱/صفحہ ۴۰۹۔
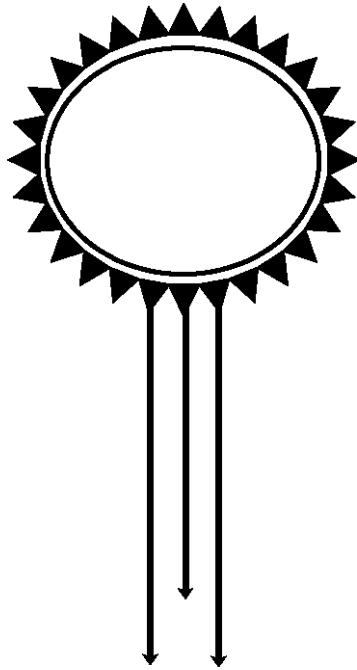
دسواں باب

متفرق مسائل

دسواں باب

متفرق مسائل

مدرک اور لاحق کے احکام

مدرک وہ ہے جو امام کے ساتھ پوری نماز پڑھے، اور لاحق وہ ہے جس کی اقتداء کے بعد کسی عذر سے تمام یا بعض رکعتیں چھوٹ جائیں جیسے غفلت، بھیڑ، حدث کا لاحق ہونا، نماز خوف، یا مقیم تھا اور مسافر کی اقتداء کرلے اور اسی طرح بغیر عذر کے چھوٹ جائے، اس طور پر کہ امام سے رکوع یا سجدے میں آگے بڑھ جائے، تو وہ ایک رکعت کی قضا کرے گا اور اس کا حکم بھی عام مقتدی کی طرح ہوگا یعنی وہ قراءت اور سجدۂ سہو نہیں کرے گا اور نہ اس کا فرض اقامت کی نیت سے تبدیل ہوگا، اور مسبوق کے برخلاف آغاز فوت شدہ رکعت کی قضا سے کرے گا، پھر اگر امام کے پالینے کا امکان ہو تو اس کی اتباع کرے گا، ورنہ نہیں، پھر جس رکعت میں سو گیا تھا، اس کو بغیر قراءت کے پوری کرے گا، پھر چھوٹی ہوئی رکعت پوری کرے گا، اگر مسبوق بھی ہے، اور اس کے برخلاف کردے تو صحیح ہے؛ لیکن ترتیب چھوڑنے کی وجہ سے گنہ گار ہوگا۔

مسبوق کے احکام

مسبوق وہ نمازی ہے جو امام کے پوری یا چند رکعت پڑھا دینے کے بعد اس کی اقتداء کرے، اور جماعت میں شریک ہو، اس کا حکم منفرد جیسا ہے، حتی کہ وہ ثنا اور تعوذ پڑھے اور قرأت کرے، اگرچہ اس نے امام کے ساتھ قرأت کی ہو تو اس کا شمار نہیں کیونکہ قضا میں وہ مکروہ ہے، مگر وہ چار حکم میں مقتدی کی طرح ہے:

(۱) اس کی اقتداء جائز نہیں ہے۔

(۲) بالاتفاق تکبیرات تشریق کہے گا۔

(۳) اگر تکبیر کہے اور اپنی نماز از سرنو پڑھنے کی نیت کی ہو اور اسے توڑ دے، تو وہ شروع سے نماز پڑھنے والے اور پہلی نماز توڑنے والے کے حکم میں ہوگا۔

(۴) اگر چھوٹی ہوئی رکعت پوری کرنے کے لیے کھڑا ہو، حالانکہ امام پر سجدۂ سہو واجب ہو، تو اس پر ضروری ہے کہ وہ لوٹ جائے، اور اگر وہ نہیں لوٹتا ہے تو اس پر ضروری ہے کہ استحساناً نماز کے آخر میں سجدۂ سہو کرے۔(۱)

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ مقتدی کے چار اقسام ہیں۔

(۱) مدرک (۲) لاحق فقط

(۳) مسبوق فقط (۴) لاحق و مسبوق

مدرک اور لاحق کے درمیان فرق

جہاں تک مدرک کی بات ہے تو وہ لاحق اور مسبوق نہیں ہوسکتا ہے، اور اس قول کا انحصار اس کی تعریف پر ہے کہ امام کے ساتھ پوری نماز پڑھے، خواہ تکبیر تحریمہ کے وقت امام کی اقتداء کرے یا پہلی رکعت کے رکوع میں اقتداء کرے، یہاں تک کہ امام کے ساتھ قعدۂ اخیرہ میں بیٹھے، خواہ اس کے ساتھ سلام پھیردے یا پہلے- البتہ "النھر الفائق" میں منقول، مدرک کی تعریف کے مطابق، مدرک وہ ہے جو شروع نماز میں شریک ہو، چنانچہ یہ لاحق بھی ہوسکتا ہے، اور اسی بنا پر کہا گیا ہے کہ مقتدی یا تو مدرک ہوگا یا مسبوق، اور ان دونوں میں ہر ایک لاحق ہوگا یا نہیں- یاد رہے کہ لاحق اور مدرک کے درمیان یہ فرق اصطلاحی طور پر ہے، ورنہ لغوی اعتبار سے دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔(۲)

---

(۱) درمختار جلد ۱ رصفحہ ۴۰۲۔

(۲) درمختار جلد ۱ رصفحہ ۴۰۲ رتلخیص۔

قراءت میں غلطی

یہ فصل مختلف فیہ قواعد پر مبنی ہے، کسی کو یہ وہم نہ ہو کہ یہ کسی قاعدہ پر مبنی نہیں، بلکہ اگر ان قواعد کا علم ہو جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ ہر فرع کسی نہ کسی قاعدہ پر مبنی اور مستخرج ہے اور اس کی تخر یج ممکن ہے جو یہاں مذکور نہیں۔

چنانچہ غلطی یا تو اعراب میں ہوگی یعنی حرکات وسکون میں، اور اس میں مشدد حروف کو غیر مشدد اور مد کو قصر پڑھنا یا اس کے برعکس پڑھنا بھی داخل ہے، یا حروف میں غلطی ہوگی جیسے ایک حرف کو دوسرے حرف کی جگہ پڑھنا یا زیادہ کردینا یا کم کردینا یا تقدیم وتاخیر کردینا- یا اسی طرح کلمات اور جملوں میں غلطی ہوگی، یا وقف یا غیر وقف میں غلطی ہوگی- متقدمین کے نزدیک قاعدہ یہ ہے کہ جو غلطی معنی کو اس طرح بدل دے کہ اس کا اعتقاد رکھنا کفر ہو تو تمام صورتوں میں نماز فاسد ہو جائے گی، خواہ قرآن میں ہو یا نہ ہو، مگر جب جملہ کی تبدیلی میں وقف تام کی وجہ سے فصل ہو جائے اور اگرچہ یہ اس طرح کی تبدیلی نہیں ہے، تو اگر اس کے مثل قرآن میں نہ ہو اور معنی بعید اور فاش تبدیلی ہو تو بھی نماز فاسد ہو جائے گی جیسے "هٰــــذَا الْغُرَابُ" کی جگہ "هٰذَا الْغُبَارُ" پڑھ دے، اور اسی طرح جب اس کا مثل قرآن میں نہ ہو اور اس کا کوئی معنی نہ ہو جیسے: "سرائر" کی جگہ "سرائل" لام کے ساتھ پڑھنا، اور اسی طرح اگر اس کا مثل جملہ قرآن مجید میں ہو اور معنی بعید ہو اور فاش تبدیلی نہ ہو تو بھی امام اعظمؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک فاسد ہو جائے گی، اور اس میں زیادہ احتیاط ہے، بعض مشائخ کہتے ہیں عوام الناس کے اس میں زیادہ مبتلا ہونے کی وجہ سے فاسد نہیں ہوگی، اور یہی قول امام ابو یوسف کا ہے- اگر اس کا مثل قرآن میں نہ ہو لیکن اس سے معنی نہ بدلے جیسے "قوامین" کی جگہ "قیامین" پڑھنا، اس کے برعکس ہونے پر اختلاف ہے، معنی میں زیادہ تبدیلی نہ ہونے کے وقت عدم فساد اس وقت معتبر ہوگا جب اس کا مثل قرآن مجید میں موجود ہو اور یہ امام ابو یوسف کا قول ہے- اور طرفین (امام ابو حنیفہ اور امام محمدؒ) کے نزدیک یہ ہے کہ معنی میں موافقت ہو،

یہ مذکورہ بالا قواعد متقدمین ائمہ فقہاء کے ہیں۔

اعراب میں غلطی مطلقاً مفسد نہیں ہے

علماء متاخرین جیسے ابن مقاتل، ابن سلام، اسماعیل الزاہدی، ابو بکر بلخی، ابن الفضل، ہندوانی اور حلوانی کا اس پر اتفاق ہے کہ اعراب میں غلطی مطلقاً مفسد نہیں ہے، اگر چہ اس کا اعتقاد کفر ہو، اس لیے کہ اکثر لوگ وجوہ اعراب میں تمیز نہیں کر پاتے ہیں، قاضی خان نے کہا ہے کہ متاخرین کے قول میں زیادہ وسعت ہے، اور متقدمین کے قول میں زیادہ احتیاط ہے، اگر غلطی ایک حرف کو دوسرے حرف سے بدل دینے کی وجہ سے ہو تو اگر بغیر مشقت کے دونوں کے درمیان فصل ممکن ہو جیسے طاء کے ساتھ صاد پڑھنا جیسے ''صالحات'' کو ''طالحات'' پڑھنا تو سبھی کا اتفاق ہے کہ یہ مفسد ہے، اور اگر فصل مشقت کے ساتھ ممکن ہو جیسے ضاد کے ساتھ ظاء اور سین کے ساتھ صاد تو اکثر علما کہتے ہیں کہ عموم بلوی کی وجہ سے فاسد نہیں ہے اور بعض لوگوں نے دو حرفوں کے درمیان فصل کی دشواری اور عدم دشواری کا اعتبار کیا ہے اور بعض لوگوں نے قریب المخرج اور عدم قریب المخرج کا اعتبار کیا ہے؛ لیکن ان میں سے کسی چیز پر مسئلہ منضبط نہیں ہے، چنانچہ بہتر یہ ہے کہ متقدمین کے قول پر عمل کیا جائے کیونکہ ان کے قواعد منضبط ہیں اور ان کے قول میں زیادہ احتیاط ہے۔(۱)

عمداً غلطی بالاتفاق فاسد ہے

نور الایضاح کے حاشیہ میں ہے کہ قراءت میں امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک اصل یہ ہے کہ معنی میں فاش تبدیلی ہو یا نہ ہو، فساد کے لیے مطلقاً کافی ہے، خواہ لفظ قرآن مجید میں موجود ہو یا نہ ہو، اور امام یوسف کے نزدیک اگر لفظ کی نظیر قرآن مجید میں موجود ہو تو مطلقا فاسد نہیں ہے، معنی میں فاش تبدیلی ہو یا نہ ہو، اور اگر وہ لفظ قرآن میں موجود نہ ہو تو مطلقاً فاسد، اور اصلا اعراب کا اعتبار نہیں اور محل اختلاف خطاء ونسیان میں ہے، اور عمداً غلطی مطلقاً بالاتفاق

(۱) ردالمحتار جلد ا رصفحہ ۴۲۴۔

فاسد ہے، جب کہ وہ غلطی مفسد نماز میں سے ہو، البتہ جب ثنا ہو تو فاسد ہے اگر یہ عمداً ہے، اس باب میں چند مسائل ہیں۔

اعراب میں غلطی

مشدد حروف کو مخفف یا اس کے برعکس اور ممدود حروف کو قصر یا اس کے برعکس پڑھنا، اسی طرح ادغام کی جگہ ادغام نہ کرنا یا اس کے برعکس کرنا، یہ سب اس میں داخل ہیں- اگر اس سے معنی میں تبدیلی نہ ہو اس سے بالا جماع نماز فاسد نہیں ہوگی۔

اگر معنی میں تبدیلی نہیں تو نماز فاسد نہیں

اور جب معنی بدل جائے جیسا کہ پڑھا "وَاِذابْتَلٰی اِبْرَاھِیْمُ رَبَّہٗ" ابراہیم کے "م" پر پیش اور ربہ کے "با" پر زبر تو امام اعظم اور امام محمد کے نزدیک نماز فاسد ہے، اور امام ابو یوسف کے قول پر قیاس کرتے ہوئے فاسد نہیں ہے، کیونکہ وہ اعراب کا اعتبار نہیں کرتے اور اسی قول پر فتوی ہے، اور متاخرین فقہاء (جن میں محمد بن مقاتل، محمد بن سلام اور اسماعیل الزاہد، ابو بکر سعید بلخی، ابن الفضل، ہندوانی اور حلوانی شامل ہیں) کا اس پر اتفاق ہے کہ اعراب میں غلطی سے نماز مطلقاً فاسد نہیں ہے، اگر چہ اس کا اعتقاد کفر ہو، اس لیے کہ اکثر لوگ وجوہ اعراب میں تمیز نہیں کر پاتے ہیں اور اعراب میں صحت کے اختیار کرنے میں لوگوں کو حرج میں مبتلا کرنا ہے، حالانکہ وہ شرعاً ان سے ختم کر دیا گیا ہے اور "نوازل" میں منقول ہے کہ کسی حالت میں فاسد نہیں ہے اور اسی قول پر فتوی بھی ہے، اور یہ اس صورت میں مناسب ہے جب کہ یہ خطا یا غلطی لاعلمی میں ہو، یا جان بوجھ کر ہو اور معنی میں کوئی زیادہ تبدیلی نہ ہو جیسے "اَلرَّحْمٰنَ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی" میں رحمٰن کے نون کو زبر کے ساتھ پڑھنا، البتہ اگر عمداً ایسی غلطی ہو جس سے معنی میں زیادہ تبدیلی ہو یا اس کا اعتقاد کفر ہو تو اس وقت فاسد ہونا اقل الاحوال ہے اور امام ابو یوسف کا قول مفتی بہ ہے۔

جہاں تک مشدد کو مخفف پڑھنے کی بات ہے جیسے اگر "اِیَاكَ نَعْبُدُ" یا "رَبِ الْعٰلَمِیْنَ" تخفیف کے ساتھ کہے، تو متاخرین فقہاء فرماتے ہیں بغیر کسی استثناء کے مطلقاً فاسد نہیں ہے

اور یہی مختار قول ہے، اس لیے کہ ''مد'' و ''تشدید'' کا چھوڑنا اعراب میں غلطی کے درجہ میں ہے، اور یہی زیادہ صحیح قول ہے اور مخفف کو تشدید سے پڑھنے کا حکم اختلاف و تفصیل میں اس کے برخلاف پڑھنے کے حکم کی طرح ہے، اسی طرح مدغم کا اظہار یا اس کے برعکس کا مسئلہ ہے، مذکورہ بالا سبھی مسائل ایک ہی قسم کے ہیں۔

اگر معنی میں تبدیلی ہوگئی تو عدم فساد کے قول پر فتوی ہے

وقف اور ابتداء کرنے میں غلطی - اگر معنی میں تبدیلی نہیں ہوئی ہے، تو متاخرین و متقدمین فقہاء کرام کا اس پر اتفاق ہے کہ نماز فاسد نہیں ہوگی، اور اگر اس سے معنی بدلے تو اس میں اختلاف ہے، اور ہر حال میں عدم فساد کے قول پر فتوی ہے، ہمارے متأخرین عام علماء کا بھی یہی قول ہے، اس لیے وقف و وصل کی رعایت کرنے میں لوگوں کو حرج میں مبتلا کرنا ہے، -خصوصاً عوام الناس - اور حرج کو ختم کیا گیا ہے، اگر پورے قرآن میں وقف ترک کر دیا تب بھی ہمارے نزدیک اس کی نماز فاسد نہیں ہوگی۔

بعض کلمہ کو کاٹ کر پڑھنے کا جہاں تک تعلق ہے جیسے: ''الحمد للہ'' کہنا چاہئے تو ''ال'' کہے تو لام یا ح یا میم پر وقف کرے، یا ''والعدیات'' پڑھنا چاہئے، تو ''والعا'' کہے، عین پر وقف سانس ٹوٹنے یا بقیہ بھول جانے سے کرے، پھر پورا کرے یا دوسری آیت کی طرف منتقل ہو جائے تو عام فقہاء کے نزدیک اگر معنی بدل جائے تب بھی ضرورت اور عوام الناس کے زیادہ اس میں مبتلا ہونے کی وجہ سے مطلق عدم فساد کا حکم ہے اور یہی زیادہ صحیح قول ہے۔

اگر کلمہ لفظ قرآن سے خارج ہو جائے تو نماز فاسد ہو جائیگی

جہاں تک ایک حرف کو دوسرے حرف کی جگہ رکھ کر پڑھنے کی بات ہے، تو اگر کلمہ، لفظ قرآن سے خارج نہ ہو اور اس سے معنی مراد نہ بدلے تو فاسد نہیں ہے، جیسے اگر ''اِنَّ الظّٰلِمُوْنَ'' کو واؤ کے پیش کے ساتھ پڑھے یا ''وَالْاَرْضَ وَمَاطَحٰهَا'' کی جگہ ''وَالْاَرْضَ وَمَادَحٰهَا'' پڑھے - اگر لفظ قرآن سے خارج ہو اور اس سے معنی نہ بدلے تو امام ابو یوسف کے برخلاف حضرات طرفین

کے نزدیک نماز فاسد نہ ہوگی، جیسے "قَیَّامِینَ بِالْقِسْطِ" پڑھ دے "قَوَّامِینَ" کی جگہ، یا "دَیَّاراً" کی جگہ "دَوَّاراً" پڑھ دے، اگر کلمہ قرآن کے لفظ سے خارج نہ ہو لیکن معنی بدل جائیں، تو اس کے برعکس اختلاف ہے جیسے اگر "وَاَنْتُمْ سَامِدُوْنَ" کی جگہ "وَاَنْتُمْ خَامِدُوْنَ" پڑھ دے۔(۱)

نزول رحمت کی ابتداء امام سے ہوتی ہے ☆

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا: "خَیْرُ بُقْعَةٍ فِی الْمَسْجِدِ خَلْفُ الْاِمَامِ، وَاِنَّ الرَّحْمَةَ اِذَا نَزَلَتْ بَدَأَتْ بِالْاِمَامِ ثُمَّ یُمْنَهٗ ثُمَّ یُسْرَهٗ ثُمَّ تَتَغَاصُ الْمَسْجِدَ بِاَهْلِهٖ" (۲) مسجد میں سب سے بہتر جگہ وہ ہے جو امام کے پیچھے ہوتی ہے، اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کے نزول کی ابتداء امام سے ہوتی ہے، پھر رحمت کا نزول امام کے پیچھے والوں پر، پھر امام کے دائیں والوں پر، پھر امام کے بائیں جانب والوں پر، پھر پوری مسجد والوں پر پھیل جاتا ہے۔

امام پر اعتراض اور تنقید نہ کریں

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ کوفہ والوں نے حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے شکایت کی کہ یہ اچھی طرح نماز نہیں پڑھاتے (ہلکی اور جلدی پڑھاتے ہیں) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا، تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے جواب دیا، میں ایسی ہی نماز پڑھاتا ہوں، جیسی نماز حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم پڑھایا کرتے تھے کہ شروع کی دو رکعت میں سورہ پڑھا کرتے تھے اور آخر کی دو رکعت میں سورت کو چھوڑ دیا کرتے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تمہارے بارے میں ایسا ہی گمان تھا کہ (نماز سنت کے مطابق پڑھایا کرتے ہوں گے)۔(۳)

☆ یہ مسائل اصل عربی کتاب میں نہیں تھے، بلکہ ترجمہ کے بعد ان کا اضافہ کیا گیا ہے۔(مصنف)

(۱) نور الایضاح باب زلۃ القاری، صفحہ ۸۸۔

(۲) کنز العمال حدیث نمبر ۲۰۵۱۹۔

(۳) مصنف ابن عبد الرزاق صفحہ ۲۶۱ رجلد ۲۔

فائدہ: اپنے بڑوں پر خصوصاً دینی اعتبار سے جو بڑے ہوں ان پر نقد اعتراض کرنا نہایت ہی قبیح اور مذموم امر ہے ''خطاء بزرگان گرفتن خطا است'' یہ شیطانی ملعون حرکت ہے، جب دینداروں پر ہی اعتراض کریں گے تو پھر ان سے دینی استفادہ کس طرح حاصل کریں گے، نتیجہ یہ نکلے گا دین سے بھی آزاد اور بیزار ہو جائیں گے، چونکہ اعتراض اور نقد کی گنجائش نہیں، ہاں ادب سے رائے کا اختلاف ہو سکتا ہے۔(۱)

امام کا نہ ملنا قیامت کی نشانی ہے

اگر عوام الناس ائمہ حضرات کی ناقدری کریں گے، ان کو تنقید و اعتراض کا نشانہ بنائیں گے تو بہت ممکن ہے کہ علماء امامت سے گریز کریں، اور امامت کے شایان شان امام نہ ملے، اور حدیث شریف میں اسے قیامت کی علامت بتلایا گیا ہے، چنانچہ حضرت سلامہ بنت الحر رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اِنَّ مِنْ شَرَائِطِ السَّاعَةِ اَنْ يَتَدَافَعَ اَهْلُ الْمَسْجِدِ لَايَجِدُوْنَ اِمَامًا يُصَلِّيْ بِهِمْ'' قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ بھی ہے کہ اہل مسجد آپس میں لڑیں گے اور ان کو کوئی نماز پڑھانے والا نہیں ملے گا۔(۲)

امام کا نماز میں کپڑوں اور داڑھی سے کھیلنا

بعض ائمہ حضرات کو نماز کے دوران اپنے کپڑوں اور داڑھی سے کھیلتے ہوئے دیکھا گیا، حالانکہ حدیث میں ہے: ''اِنَّ اللّٰهَ كَرِهَ ثَلَاثًا، اَلْعَبَثُ فِي الصَّلٰوةِ، وَالرَّفَثُ فِي الصِّيَامِ، وَ الضَّحْكُ فِي الْمَقَابِرِ'' یعنی اللہ تعالیٰ تین چیزوں کو پسند نہیں فرماتے، نماز میں کھیلنا، روزے میں گالی گلوچ کرنا، قبرستان میں ہنسنا۔(۳)

امام کا نماز میں ادھر ادھر متوجہ ہونا

بعض حضرات ائمہ کرام کو نماز کے دوران اپنی نظروں کو ادھر ادھر متوجہ رکھتے ہوئے بھی

(۱) شمائل کبریٰ صفحہ ۳۶۳ / جلد ۲۔ (۲) ابوداؤد شریف صفحہ ۸۶۔

(۳) شامی صفحہ ۵۹۹ / جلد ۱ / فتاوی رحیمیہ جلد ۴ / صفحہ ۳۷۴۔

دیکھا گیا، اس کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مستحضر رہے تو انشاء اللہ اس عادت قبیحہ سے چھوٹنے میں معین ومددگار ہوگا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز میں ادھر ادھر دیکھنے کے بارے میں پوچھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ تو ایک ڈاکہ ہے جو شیطان بندے کی کی نماز پر ڈالتا ہے۔(۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اے بیٹے خبردار! نماز میں ادھر ادھر دیکھنے سے بچو، نماز میں ادھر ادھر دیکھنا ہلاکت ہے''۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب آدمی نماز میں کھڑا ہوتا ہے تو اللہ تعالی اس کی جانب متوجہ ہوتے ہیں، جب وہ ادھر ادھر دیکھتا ہے تو اللہ تعالی فرماتے ہیں اے آدم کی اولاد! کس کی جانب متوجہ ہوتے ہو؟ کون مجھ سے بہتر ہے؟ جب بندہ ادھر ادھر دیکھتا ہے تو پھر یہی فرماتے ہیں، جب تیسری بار یہی کرتا ہے، تو اللہ تعالی بالکل رخ پھیر لیتے ہیں۔(۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''نماز پڑھنے والے کے سر کے اوپر سے خیر کی بوچھار اس کے سر کی مانگ تک آتی رہتی ہے اور ایک فرشتہ اعلان کرتا ہے اگر بندہ جان لیتا کہ وہ کس سے ہم کلام ہے تو پھر ادھر اُدھر متوجہ متوجہ نہ ہوتا''۔(۳)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب بندہ نماز کی جانب کھڑا ہوتا ہے، اللہ تعالی کے سامنے کھڑا ہوتا ہے، پس جب وہ ادھر ادھر متوجہ ہوتا ہے تو اللہ تعالی کہتے ہیں: ''کس کی طرف متوجہ ہوتے ہو؟ کون ہے جو مجھ سے بہتر ہے؟ میری جانب متوجہ رہو، اے آدم کی اولاد! میں اس سے بہتر ہوں جس کی طرف توجہ کر رہے ہو''۔(۴)

---

(۱) بخاری جلد ا رصفحہ ۱۰۴۔

(۲) الترغیب والترہیب جلد ا رصفحہ ۲۰۹۔

(۳) عمدۃ القاری جلد ۵ رصفحہ ۳۱۱۔

(۴) الترغیب والترہیب جلد ا رصفحہ ۲۰۹۔

امام کا جہری نماز میں سراً پڑھنا

جہری نماز میں تین آیات کی مقدار سہواً سراً پڑھنے سے سجدہ سہو لازم آئے گا، اسی طرح سری نماز میں جہراً پڑھنے کا حکم ہے، سورہ فاتحہ اگر سراً پڑھی ہے تو جہری نماز میں اس کو جہراً پڑھے پھر سجدہ سہو کرے، اگر اس کو جہراً نہیں پڑھا بلکہ صرف سورۃ کو جہراً پڑھ کر سجدہ سہو کر لیا تب بھی نماز درست ہو جائے گی۔(۱)

ایک امام کا دو جگہ امامت کرنا

اگر دو امام اس لئے ہوں کہ ایک امام چند لوگوں کو نماز پڑھائے اور دوسرا امام وہی نماز دوسرے لوگوں کو پڑھائے تو یہ مکروہ ہے، اور اگر منشاء یہ ہے کہ دو امام رکھ لئے جائیں، کبھی ایک پڑھائے اور کبھی ضرورت پڑنے پر دوسرا تو گنجائش ہے۔(۲)

امام کے پیچھے مؤذن کا کھڑا ہونا ضروری نہیں

مؤذن کا امام کے پیچھے کھڑا ہونا ضروری نہیں ہے، اس لئے کہ مسجد میں کسی کے لئے جگہ متعین کرنا جائز نہیں، مؤذن اگر امام سے قریب رہنا چاہتا ہے تو دوسرے نمازیوں سے پہلے آجائے، ورنہ جہاں بھی جگہ ملے وہیں سے اقامت کہہ دے، اقامت کے لئے صف اول یا امام کے پیچھے (قریب کی) کوئی قید نہیں۔(۳)

نماز میں کسی لکھی ہوئی چیز پر نگاہ پڑنا

نماز پڑھنے والا کسی لکھی ہوئی چیز کو دیکھ لے اور اس کو سمجھ لے تو اس صورت میں اس کی نماز فاسد نہیں ہوتی، کیونکہ یہ نماز پڑھنے والے کا فعل نہیں ہے، بلکہ غیر اختیار طور پر اس کی سمجھ میں آجاتا ہے، اس لئے کہ عام طور سے اس پر نگاہ پڑ جاتی ہے اور دیکھنے والا اس کو سمجھ جاتا ہے، اس

---

(۱) مسائل امامت صفحہ ۱۷۸۔

(۲) مسائل امامت صفحہ ۵۰۔ (۳) مسائل امامت صفحہ ۱۶۰۔

لئے علماء فرماتے ہیں کہ نمازی کے سامنے ایسی چیز کو نہ رکھا جائے کیونکہ شبہات سے بچنا ضروری ہے اور صحیح مذہب کے بموجب نماز درست ہو جائے گی۔(۱)

امام کا نماز سے قبل مقتدیوں کو تنبیہ کرنا

امام کو چاہئے کہ نماز شروع کرنے سے قبل مقتدیوں کو سمجھا دیا کرے کہ تم کسی رکن میں مجھ سے پہل نہ کرنا بلکہ مجھے رکن ادا کرنے دینا، پھر تم میری اقتدا کرنا، اگر تم مجھ سے پہلے ارکان ادا کرو گے تو اللہ تعالی کو ناراض کرو گے اور اپنی نمازیں بھی خراب کرو گے۔

امام کو چاہئے کہ اپنے مقتدیوں کو نصیحت کرتا اور اور سمجھاتا رہے تا کہ وہ رکوع اور سجود اور دوسرے ارکان نماز میں جلد بازی سے کام نہ لیں اور نماز اچھی طرح ادا کریں، کیونکہ امام ان کا نگہبان ہے، قیامت کے دن امام سے لوگوں کے بارے میں پوچھا جائے گا، امام کو چاہئے کہ اپنی نماز بھی اچھی طرح ادا کرے، اگر ان میں کوتاہی کرے گا تو جس طرح اس کے مقتدیوں کو گناہ کی سزا ملے گی اسی طرح امام کو بھی اس کی کوتاہی وغفلت کی وجہ سے ان لوگوں کی نمازیں خراب کرنے کی سزا دی جائے گی۔(۲)

منکرین حدیث کی امامت درست نہیں

قادیانی فرقہ جو کہ حدیث کا منکر ہے وہ کافر ہے، ان کے پیچھے نماز درست نہیں ہے، اور غیر مقلدوں کا فرقہ جو کہ اپنے آپ کو اہل حدیث کا کہتا ہے وہ بھی درحقیقت اہل حدیث نہیں ہیں، ان کے پیچھے بھی نماز مکروہ ہے، امام عالم حنفی کو مقرر کرنا چاہئے، فرقہ منکرین حدیث کی امامت بھی درست نہیں ہے، علماء نے ان کے کافر ہونے کا فتوی دیدیا ہے۔(۳)

جس کی عورت بے پردہ ہو اس کی امامت مکروہ ہے

اگر امام کی بیوی شرعی طور پر پردہ نہیں کرتی اور وہ بے پردگی سے نہیں روکتا، بلکہ اس کے

(۱) اشرف الایضاح شرح نور الایضاح صفحہ ۱۳۷۔ (۲) غنیۃ الطالبین صفحہ ۱۸۷۔

(۳) فتاوی دار العلوم جلد ۳ رصفحہ ۱۷۴۔

فعل سے خوش ہوتا ہے، اور اس سے بہتر امامت کا اہل دوسرا شخص موجود ہے تو ایسی حالت میں اس کو امام بنانا مکروہ ہے، کیونکہ ایسا شخص شرعاً فاسق ہوتا ہے، اگر وہ بے پردگی سے روکتا ہے اور بیوی نہیں مانتی تو ایسے امام کی امامت مکروہ نہیں۔(۱)

امام کو چاہئے کہ رزق حرام سے بچنے کا اہتمام کرے

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ بیت المقدس پر ہر رات پکارتا ہے کہ جو شخص حرام کھاوے گا، اس کا فرض و نفل کچھ قبول نہ ہوگا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''ایک آدمی نے دس درہم میں کوئی کپڑا خریدا، اس میں سے نو درہم حلال کے اور ایک درہم حرام کا، نوے فیصد حلال اور دس فیصد حرام، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جب تک وہ کپڑا اس کے جسم پر موجود ہے اس کی کوئی عبادت قبول نہیں ہوگی، اس روایت کو نقل فرمانے کے بعد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی دونوں انگلیاں کان میں ڈال لیں اور فرمایا: ''صُمَّتَانِ لَمْ يَكُنِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمِعْتُهُ يَقُوْلُهُ'' (۲) یعنی اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ جملہ ارشاد فرماتے ہوئے میں نے نہ سنا ہو تو میرے یہ دونوں کان بہرے ہو جائیں، کتنی تاکید؟۔

ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' يَأْتِيْ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يُبَالِي الْمَرْءُ مَا أَخَذَ مِنْهُ، أَمِنَ الْحَلَالِ أَمْ مِنَ الْحَرَامِ'' (۳) ایک زمانہ لوگوں پر آئے گا کہ آدمی اس کی پرواہ نہیں کرے گا کہ اس نے مال حلال سے حاصل کیا یا حرام سے؟۔

---

(۱) فتاوی محمودیہ جلد ۷ رصفحہ ۴۵۔

(۲) رسائل المرغوب جلد ۱ رصفحہ ۲۱۶۔

(۳) مشکوۃ شریف باب الکسب وطلب الحلال، کتاب البیوع۔

امام کو نماز شروع کرنے سے پہلے موبائل بند کرنے کا اعلان کرنا چاہئے

ائمہ حضرات کو چاہئے کہ نماز شروع کرنے سے پہلے کبھی کبھی فون بند کرنے کا اعلان کر دیا کریں، جیسا کہ اب بھی بہت سی جگہ صفیں سیدھی کرنے کا اعلان کیا جاتا ہے، حالانکہ اب اس کی ضرورت نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہماری طرح لکیر والی صفوں کا رواج نہیں تھا، اس لئے اس کے اہتمام کی ضرورت تھی، اب تو فون بند کرنے، پاجامہ ٹخنوں کے اوپر کر لینے کے اعلان کی ضرورت ہے۔

احادیث مبارکہ میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ تھی حسب ضرورت نماز سے پہلے یا نماز کے بعد اعلان فرمادیا کرتے، مثلاً نماز شروع کرنے سے پہلے اہتمام سے صفیں سیدھی کرنے کی تاکید فرماتے اور صفیں سیدھی کئے بغیر نماز کی ابتدا نہ فرماتے۔(۲)

ابوداؤد شریف کی ایک حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دائیں متوجہ ہو کر فرماتے سیدھے کھڑے ہو جاؤ اور صفوں کو برابر کر لو، پھر بائیں متوجہ ہو کر یہی ارشاد فرماتے۔

اسی طرح حالت سفر میں نماز کے بعد فرماتے "یَا اَھْلَ الْبَلَدِ صَلُّوْا اَرْبَعًا فَاِنَّا قَوْمُ سَفَرٍ" اے شہر والو! تم چار رکعت پڑھ لو ہم مسافر ہیں۔(۳)

امام کو لہو کھیل کھیلنے، دیکھنے اور اس کی کومینٹری سننے سے احتراز کرنا چاہئے

ائمہ کرام کو کرکٹ، فٹ بال وغیرہ کھیلنے اور ان کھیلوں کی میچ دیکھنے اور کومینٹری سننے سے بھی

(۱) مشکوۃ شریف صفحہ ۹۸/ باب تسویۃ الصفوف۔

(۲) ابوداؤد صفحہ ۱۸۰/ باب متی یتم المسافر

خصوصی احتیاط کرنا چاہئے، یہ چیزیں منصب امامت کے لائق نہیں، حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوریؒ اس قسم کے ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

''لہٰذا ایسا شخص جو امامت کے عظیم منصب پر فائز ہو، اس کو اس قسم کے بدنام اور بیکار لہو کھیل میں مشغول ہونا، اس سے دلچسپی رکھنا، کومینٹری سننا قطعاً اس کے شایان شان نہیں، غافلوں کے ساتھ تشبہ بھی لازم آتا ہے، اور لوگوں کی نظروں میں امام کا وقار بھی کم ہو جاتا ہے، اگر ورزش اور بدن کی تقویت مقصود ہو تو دوسرے جائز طریقے اختیار کئے جائیں، اگر کوئی شخص کرکٹ میں اس قدر منہمک ہو کہ نماز قضاء ہو جائے اور جماعت فوت ہوتی ہو تو پھر ایسا کھیل بالکل ناجائز اور موجب فسق ہوگا اور ایسے شخص کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہوگا، کبیری میں ہے '' وَفِيهِ اِشَارَةٌ اِلٰى اَنَّهُمْ لَوْ قَدَّمُوْا فَاسِقًا يَاثِمُوْنَ، بِنَاءً عَلٰى اَنَّ كَرَاهَةَ تَقْدِيْمِهٖ كَرَاهَةُ تَحْرِيْمٍ''۔(۱)

دعا کے ختم پر کلمہ پڑھنا

کہیں کہیں یہ دستور ہے کہ دعا ختم کرنے کے بعد جب منھ پر ہاتھ پھیرتے ہیں تو اس وقت کلمہ طیبہ ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم'' پڑھتے ہیں، کیا شریعت میں اس کا ثبوت ہے؟،

احسن الفتاوی میں ہے کہ دعاء کے آخر میں درود شریف پڑھنا اور آمین کے سوا اور کچھ پڑھانا ثابت نہیں، لہٰذا منھ پر ہاتھ پھیرتے وقت کلمہ طیبہ پڑھنے کا دستور بدعت ہے، جیسا کہ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد یا تلاوت کے بعد کوئی شخص دعائے ماثورہ کے بجائے اس کے بعد کلمہ طیبہ پڑھے تو ہر شخص اسے دین میں زیادتی اور بدعت سمجھے گا۔(۲)

امام کے لئے پندرہ ہدایات

ابن امیر الحجاج رحمہ اللہ نے اپنی مشہور کتاب ''المدخل'' میں تحریر فرماتے ہیں:

(۱) امام کے لئے مناسب ہے کہ خالص اللہ کی رضا کے لئے امامت کرے، امامت کے بدلے کوئی تعریف اور دنیوی راحت، کوئی ممتاز حیثیت کا طالب نہ ہو۔

(۱) کبیری صفحہ ۵۰۹ فصل فی الامامۃ، فتاوی رحیمیہ جلد ۷ رصفحہ ۲۷۸۔ (۲) احسن الفتاوی جلد ا رصفحہ ۳۷۔

(۲) اگر قوم (شرعی عذر کی وجہ سے) ناراض ہو تو امامت ترک کر دے۔

(۳) امام کے لئے مناسب ہے کہ اوقات کی پوری حفاظت کرے۔

(۴) امام کے لئے یہ بھی مناسب ہے کہ کثرت ضحک اور کثرت مزاح سے پرہیز کرے۔

(۵) امام کو بلا ضرورت بازار کی سیر و تفریح، راستوں اور دکانوں پر بلا ضرورت بیٹھے رہنے اور جو کام اس کے منصب کے لائق نہ ہوان سے بھی احتراز کرنا چاہئے۔

(۶) امام کے دل میں اللہ تعالی کا خوف وخشیت ہو اور علم ورقت قلب کی دولت بھی ہو۔

(۷) امام کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ مقتدی سے اپنے کو افضل واعلی نہ سمجھے، اور اپنی ذمہ داری کا خوف واحساس رکھے۔

(۸) اور بہت ضروری امر ہے کہ اپنے کو بدعات سے بچائے۔

(۹) امام کے لئے مناسب ہے کہ مسجد ومحراب کی تعمیر میں اور قبلہ کی دیوار میں آیات قرآنی وغیرہ کے لکھنے پر نکیر کرے۔

(۱۰) امام کے لئے مناسب ہے کہ تمام منکرات پر اپنی استطاعت کے مطابق نکیر کرتا رہے، گرچہ یہ نکیر تو سب پر ضروری ہے مگر امام کے لئے اس کی تاکید زیادہ ہے۔

(۱۱) امام کیلئے مناسب ہے کہ اس کا لباس سفید ہو، کہ شریعت مطہرہ میں اس کی فضیلت ثابت ہے۔

(۱۲) امام کے لئے مناسب ہے کہ خطبہ کے لئے عصا پکڑے تو داہنے ہاتھ میں پکڑے۔

(۱۳) امام خطبہ کے لئے ممبر پر چڑھے تو داہنے قدم سے ابتدا کرے۔

(۱۴) اور امام کے لئے مناسب ہے کہ رکوع وسجدہ کی تسبیح اور نماز کے اندر اور نماز کے بعد کی دعا میں جہر نہ کرے کہ یہی سنت ہے۔

(۱۵) امام کے مناسب ہے کہ نماز سے فراغت پر اپنی جگہ سے ہٹ جائے، یعنی اپنی ہیئت بدل دے کہ نئے آنے والے مصلی کو نماز میں ہونے کا شبہ نہ ہو، اور سنن ونوافل بھی اپنی جگہ سے کچھ ہٹ کر پڑھنا چاہئے۔(۱)

---

(۱) المدخل جلد ۲ صفحہ ۳۷۴ تا ۳۸۴۔

ائمہ کرام سے گزارش

ائمہ حضرات سے گزارش ہے کہ امامت کے تمام مسائل جو اس کتاب میں ہیں، اگر کوئی مسئلہ سمجھ میں نہ آئے یا ان کے علاوہ کوئی دوسرا مسئلہ پیش آئے تو کسی اچھے عالم سے معلوم کرلیں اور سمجھ لیں۔

دوسری گزارش ائمہ حضرات اور تمام قارئین سے یہ ہے کہ وہ راقم آثم مصنف کے لئے حسن خاتمہ کی دعا ضرور فرمادیں، اللہ تعالی ایمان کامل پر خاتمہ نصیب فرمائے۔

والسلام

محمد مسعود عزیزی ندوی

رئیس مرکز احیاء الفکر الاسلامی، مظفر آباد

۳/ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ

۹/اکتوبر ۲۰۱۳ء بروز بدھ بوقت تہجد

مراجع وماآخذ

(۱) قرآن کریم
(۲) صحیح بخاری شریف: امام عبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری (المتوفی ۲۵۶ھ)
(۳) صحیح مسلم شریف: امام ابی الحسین مسلم بن الحجاج القشیری (المتوفی ۲۶۱ھ)
(۴) جامع الترمذی: لأبی عیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی (المتوفی ۲۷۹ھ)
(۵) سنن ابی داؤد: امام سلیمان بن الأشعث السجستانی (المتوفی ۲۷۵ھ)
(۶) سنن النسائی: حافظ ابی عبدالرحمٰن احمد بن شعیب القرشی (المتوفی ۳۰۳ھ)
(۷) سنن ابن ماجہ: ابی عبداللہ محمد بن یزید (المتوفی ۲۷۵ھ)
(۸) مؤطا امام مالک بن اُنس (المتوفی ۱۷۹ھ)
(۹) مسند امام احمد بن حنبل ابی عبداللہ (المتوفی ۲۳۱ھ)
(۱۰) مسند امام محمد ابن ادریس شافعی (المتوفی ۲۰۴ھ)
(۱۱) مصنف ابن ابی شیبہ عبداللہ بن محمد (المتوفی ۲۳۵ھ)
(۱۲) سنن دارقطنی ابوالحسن علی بن عمر (المتوفی ۳۸۵ھ)
(۱۳) مصنف عبدالرزاق ابی بکر بن ہمام صنعانی (المتوفی ۲۱۱ھ)
(۱۴) سنن ابی داؤد طیالسی سلیمان داؤد (المتوفی ۲۰۴ھ)
(۱۵) فتح الباری شرح صحیح البخاری حافظ بن حجر عسقلانی (المتوفی ۸۵۲ھ)
(۱۶) اعلاء السنن شیخ ظفر علی عثمانی (المتوفی ۱۳۹۴ھ)
(۱۷) شرح معانی الآثار ابی جعفر احمد بن محمد بن سلام طحاوی (المتوفی ۳۲۱ھ)
(۱۸) المصباح المنیر فی غریب شرح الکبیر رافعی احمد بن علی المقری (المتوفی ۷۷۰ھ)
(۱۹) روضۃ الطالبین ابی زکریا یحییٰ بن شرف النووی الشافعی (المتوفی ۶۸۶ھ)
(۲۰) المغنی علی المختصر الخرقی ابی محمد عبداللہ بن احمد بن محمد، شہیر با بن قدامہ مقدسی (المتوفی ۶۲۰ھ)
(۲۱) جواہر الاکلیل شرح مختصر خلیل لصالح عبدالسمیع الازہری الابی

(۲۲)غنیۃ الطالبین امام عبدالقادر جیلانی (المتوفی ۵۶۱ھ)
(۲۳) کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال علاء الدین علی المتقی (المتوفی ۹۷۵ھ)
(۲۴)مراقی الفلاح شرح نورالایضاح
(۲۵)المھذب فی الفقہ الشافعی ابی اسحٰق شیرازی الفیر وزآبادی (المتوفی ۴۷۶ھ)
(۲۶)الاختیار لتعلیل المختار عبداللہ بن محمود بن مودود موصلی الحنفی (المتوفی ۶۸۳ھ)
(۲۷)الأم امام محمد ابن ادریس شافعی (المتوفی ۲۰۴ھ)
(۲۸)الوجیز امام غزالی (المتوفی ۵۰۵ھ)
(۲۹)نصب الرایۃ فی تخریج احادیث الھدایۃ ابی محمد عبداللہ بن یوسف الزیلعی (المتوفی ۸۶۲ھ)
(۳۰)مغرب فی ترتیب المعرب ابی الفتح ناصر بن عبدالسعید بن علی المطرزی (المتوفی ۶۱۰ھ)
(۳۱)مجمع الزوائد ومنبع الفوائد للھیثمی (المتوفی ۸۰۷ھ)
(۳۲) تاج العروس من جواہر القاموس سید محمد مرتضٰی حسین زبیدی
(۳۳)موسوعۃ فقھیۃ لوزارۃ الاوقاف والشؤن الاسلامیۃ، الکویت
(۳۴)ردالمحتار علی الدرالمختار علامہ ابن عابدین شامی (المتوفی ۱۲۵۲ھ)
(۳۵)الدرالمختار امام علاء الدین حصکفی (المتوفی ۱۰۸۸ھ)
(۳۶) کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ عبدالرحمٰن حریری
(۳۷)بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع امام علاء الدین ابی بکر الکاسانی (المتوفی ۵۸۷ھ)
(۳۸)حجۃ اللہ البالغہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (المتوفی ۱۱۷۶ھ)
(۳۹)ارکان اربعہ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی (المتوفی ۱۴۲۰ھ)
(۴۰)فتح القدیر لکمال الدین بن ہمام (المتوفی ۸۶۱ھ)
(۴۱) کفایہ مع فتح القدیر مولانا جلال الدین
(۴۲)فتاوی ہندیہ (عالمگیری) علی مذہب امام ابی حنفیہ نعمان لجماعۃ من علماء الہند
(۴۳)مسائل امامت مولانا محمد رفعت قاسمی دارالعلوم دیوبند